ستمبر 2017
ماہنامہ
کرن

عنبرین ولی

روشن چہرہ

digest library.com

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب اس نے ٹیوشن کے لیے آنے والے بچوں کو چھٹی دی اور اکڑی ہوئی کمر کے ساتھ باورچی خانے میں آ گئی۔ جہاں برتنوں کا ایک ڈھیر موجود تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ اور ابھی اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ سارے گندے برتنوں کو جمع کر کے نل کے نیچے رکھ کر وہ باہر آ گئی۔ اور جھاڑو اٹھا کر کچرا سمیٹنے لگی۔ اس کام میں اس کے مزید بیس منٹ لگ گئے۔ اس کے بعد برتن دھو کر وہ رات کا کھانا بنانے لگی۔ آج نجانے کہاں سے مہمان آ گئے اور اس کا کام ڈبل ہو گیا۔

اسکول سے واپسی پر اسے ایمرجنسی میں کھانا تیار کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا، وہ خود بھی مہمان نواز تھی اور مہمانوں کے آنے پر خوش ہوتی تھی۔ لیکن زلیخا بی بی نے جان بوجھ کر اس کا کام بڑھایا۔ گھر کا برا حال تھا۔ صبح جانے سے پہلے وہ پورا گھر چمکا کر گئی تھی۔ آنے والی مہمان خاتون کے بچوں نے گھر کو کچرا خانہ بنا دیا تھا اور جب وہ بچوں کو منع کرتیں، تو زلیخا ان سے کہتیں ارے بچے ہیں، گھر تو ویسے بھی گندا ہو جاتا ہے۔ صد شکر کہ صبح جاتے ہوئے وہ اپنے کمرے کو تالا لگا کر گئی تھی ورنہ شاید اس کی کتابوں کو بھی جہاز بنا بنا کر اڑایا جا رہا ہوتا۔ اور پھر بجائے مدد کرنے کے انہوں نے اسے جسمانی اور دماغی دونوں طرح سے خوب ہی تھکایا تھا۔ بار بار یہاں وہاں دوڑیں لگوا لگوا کر اس کا ستیاناس کر دیا تھا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد وہ خود بھی باہر نکل گئی تھیں اور پچھلے دو گھنٹوں سے ان کا کوئی اتا پتا نہیں تھا، مدد تو دور کی بات ہے وہ اس کے کام میں ہمیشہ اضافہ ہی کیا کرتی تھیں۔ جان بوجھ کر۔ اسے آج تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ یہ سب کر کے اپنے دل کے کون سے جلاپوں کو ٹھنڈک پہنچاتی تھیں۔

وہ ان کی مرحومہ سوکن کی بیٹی تھی۔ مریم کی ماں کے مرنے کے چھ ماہ بعد ہی اس کے ابا ایاز نے زلیخا سے دوسری شادی کر لی اور سال بعد ہی زبیر پیدا ہو گیا۔ مریم کی والدہ اس کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں پیدا ہونے کے باعث انتقال کر گئیں تھیں۔ چھ سال کی عمر تک اس کی بوڑھی دادی نے اسے سنبھالا۔ اور پھر وہ بھی چل بسیں۔ اس کے بعد اسے کسی نے بھی نہیں سنبھالا، زلیخا کے عجیب و غریب رویے کو سہتے سہتے وہ بہت جلد بڑی ہو گئی۔

ایاز مریم کے معاملے میں زلیخا پر بھروسا نہیں کرتا تھا۔ کام سے واپس آ کر وہ اس سے باتیں کرتا، پوچھتا، کرید کرید کر ماں کے رویے کی بابت دریافت کرتا، مگر مریم دن بھر کی روداد بھلا باپ کو کیسے سناتی؟ وہ تو کچھ ہی دیر اس کے پاس بیٹھتا تھا اور پھر آرام کرنے چلا جاتا۔ دن کے چودہ گھنٹوں سے زیادہ وقت وہ زلیخا کی ہمراہی میں گزارتی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اس کا کچھ بولنا اس کے ان چودہ گھنٹوں کی مشقت میں اضافہ کرے گا۔ سو وہ سب اچھا ہے کی رپورٹ دیتی۔

وہ شروع سے ہی گھر کے چھوٹے چھوٹے کام اس سے کرواتی تھیں۔ زبیر کو اسے تھما کر خود روزانہ دوپہر کو محلے کے گشت پر نکل جاتیں۔ وہ اکیلی گھر پر زبیر کے ساتھ کھیلتی رہتی۔ اس کا منہ دھلا کر کپڑے بھی تبدیل کروا دیتی۔ اس کا بچپن بس یونہی گزر گیا۔ شرارتیں کرنے اور بچپن جینے کا ارمان لیے وہ بڑی ہو گئی۔

اسے نہیں علم کہ اچانک ایاز کو کیا ہوا۔ انہوں نے ساری جمع پونجی اس گھر کا اوپری حصہ بنانے میں صرف کر دی اور پورا گھر مریم کے نام کر دیا۔ اور باقی تمام جائداد جس میں کچھ زمین اور دو پلاٹ تھے وہ زبیر کے نام۔ اس قصے کے بعد زلیخا نے کھل کر اس سے دشمنی گانٹھ لی۔ انہیں اس بات کا بے حد غصہ تھا کہ ایاز نے گھر اس کے نام کیوں کیا۔ اس دشمنی کو وہ شوہر کے مرنے کے بعد بھی نبھا رہی تھیں۔ مگر مریم نے جو قفل اپنے ہونٹوں پر لگایا تھا اسے لگا ہی رہنے دیا مگر کبھی کبھی اس کی برداشت بھی جواب دے جاتی اور وہ بھی زبان کا استعمال کرتی۔ مگر ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا۔

وہ وقت کو تقسیم کرتی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ تاکہ بجلی جانے سے پہلے وہ سارے کاموں

digest library.com

سے فارغ ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ کھانا بنا کر وہ کمرے میں آئی ہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ زلیخا ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے موم بتی جلائی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ موم بتی ہاتھ میں لیے وہ باہر آئی، بیرونی دروازے کو کنڈی لگا کر وہ پھر کمرے میں آگئی۔ زبیر بھی اب تک غائب تھا۔ آج کل وہ دیر سے گھر واپس آرہا تھا۔ اسے پارٹ ٹائم جاب کی تلاش تھی تاکہ مریم کا بوجھ کچھ کم ہو سکے۔

اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی مگر رات کا کھانا وہ اور زبیر ایک ساتھ کھاتے تھے۔ کمرے میں اتنی روشنی تھی کہ وہ کچھ پڑھ سکے۔ اس نے سائڈ پر رکھی کتاب اٹھائی اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں رکھی تمام چیزوں کے لمبے لمبے سائے بن رہے تھے۔ مگر وہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بالکل بھی خوف زدہ نہیں ہوتی تھی۔ تنہائی اس کی سہیلی تھی اور اندھیرا اس کا لنگوٹیا دوست۔ بھلا بے جان چیزوں کے سائے سے بھی کوئی خوف زدہ ہوتا ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

یہ ناول وہ کچھ دن پہلے ہی خرید کر لائی تھی۔ ہر ماہ وہ ضرور ایک یا دو کتابیں خریدا کرتی تھی۔ کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق اسے بچپن سے تھا۔ اسی مشغلے کے باعث اس کے پاس کافی ساری کتابیں جمع ہو چکی تھیں۔ جن دنوں اس کا ہاتھ تنگ ہوتا وہ سیکنڈ ہینڈ کتابیں خرید کر اپنے شوق کو تسکین پہنچاتی۔ زلیخا کو اس بات پر بھی اعتراض تھا مگر چونکہ دونوں بہن بھائیوں کا مشترکہ شوق تھا سو وہ مریم کو کتابوں سے دور کرنے کی کوئی عملی کارروائی نہیں کر پائی تھیں۔

کتاب پڑھتے ہوئے اسے ابھی آدھا گھنٹا ہی گزرا تھا، وہ کہانی میں بری طرح محو تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم نے کتاب کا صفحہ موڑا اور کتاب بند کر کے اٹھ گئی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ اس کی اماں یا پھر زبیر آیا ہوگا۔ مگر دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے احتیاطاً پوچھ لیا۔

''کون؟'' سوال کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کنڈی پر تھے۔

''میں ہوں اطہر۔'' جواب سن کر اس کے ہاتھ رک گئے۔ اطہر اس کی اماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

''گھر پر کوئی بھی نہیں ہے۔'' دروازہ کھولنے کا ارادہ ترک کر کے اس نے کہا۔

''جی جانتا ہوں۔ زلیخا خالہ نے ہی بھیجا ہے۔ وہ ہمارے گھر پر ہیں۔'' مریم کا خون کھول گیا۔

''انہوں نے آپ کو کیوں بھیجا؟'' اس کا لہجہ اور انداز ایک دم سخت ہو گیا۔ ادھر دوسری جانب اطہر پشیمان۔

''وہ اور اماں شام کو مارکیٹ گئی تھیں۔ اماں انہیں ساتھ لے آئیں، اور پھر خالہ نے کہا کہ میں سامان گھر پر پہنچا دوں۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ مریم کو بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اطہر نے سامان سے بھرے تھیلے دروازے سے اندر کیے خود باہر ہی کھڑا رہا۔

''رکھ دیا سارا سامان۔ آپ دروازہ بند کرلیں۔'' اس کی آواز ابھری۔ اور پھر جاتے قدموں کی آواز بھی اسے سنائی دی۔ اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ بھاری بھرکم تھیلے گھسیٹتے ہوئے وہ باورچی خانے میں لائی۔ اسی وقت لائٹ آگئی۔ کپڑے سے بنے تھیلوں میں سے سبزی اور اسی طرح کی باقی چیزیں جھانک رہی تھیں۔ سب کو ٹھکانے لگا کر اس نے پانی پیا اور غصہ بھی۔ کچھ ہی دیر بعد دوبارہ دروازہ بجا۔ اس بار زلیخا کی آمد ہوئی تھی۔ ابھی انہوں نے برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ مریم چلا اٹھی۔

''جب آپ کو علم ہے کہ میں گھر پر اکیلی ہوں اور لائٹ بھی نہیں تو اطہر کو گھر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ غصے سے چیخی۔ زلیخا نے اسے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''زبیر کہاں ہے؟ میں تو یہ سمجھی کہ......''

''آپ کیوں کچھ بھی سمجھ لیتی ہیں؟ جب دس منٹ کے فرق سے آپ کو گھر آنا ہی تھا تو اس کے ساتھ آتیں۔ یا پھر پہلے خود آجاتیں بعد میں اسے بلوا

لیتیں۔" وہ اونچی آواز سے بول رہی تھی۔ زلیخا جانتی تھیں کہ اس معاملے میں وہ نہ تو کسی کی سنتی ہے اور نہ ہی ڈرتی ہے۔ وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھائیں گی تو بھی وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ اور اس بات پر تو زبیر بھی بگڑ جاتا تھا۔ اور بیٹے سے وہ کسی صورت بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ یہی سمجھی تھیں کہ زبیر گھر پر ہوگا۔ مریم کو جواب دیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ غصے سے تلملاتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے فرش پر۔

میری سگی ماں ہوتیں تو کیا وہ ایسے ہی کرتیں؟ رات کے اس پہر کسی کو بھی گھر کا راستہ دکھا دیتی؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ وہ واحد لمحہ ہوتا تھا جب اسے شکوہ ہونے لگتا کہ اس کی ماں کیوں مر گئیں؟ ان کے رویوں سے وہ دکھی ہوتی تھی لیکن اس قسم کی بے احتیاطیوں کو دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ رات کے دس بجے ایک بار پھر دروازہ بجا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ زلیخا نے ہی آ کر دروازہ کھولا۔ تھکا ہارا زبیر گھر میں داخل ہوا۔

"السلام علیکم۔" اس نے بلند آواز میں سلام کیا۔ دروازے پر ماں کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ مریم اس سے ناراض ہو چکی ہے اسی لیے وہ خود اس کے استقبال کے لیے نہیں آئی، نہ اس کے ہاتھ سے بیگ اور کتابیں لیں نہ ہی پانی کا پوچھا۔ وہ ایک کونے میں بالکل چپ چاپ بیٹھی تھی۔ زبیر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری مریم۔ آج بہت دیر ہو گئی۔" وہ شرمندگی سے بولا۔ مریم خاموش رہی۔

"ایگزامز سر پر ہیں اور مجھے نوٹس بنانے ہوتے ہیں اس لیے دیر ہو جاتی ہے۔ تم تو جانتی ہو کراچی کے ٹریفک کو۔ شام کے بعد ایک گھنٹے کا راستہ تین گھنٹوں تک کھنچ کر لمبا ہو جاتا ہے۔" اس نے سچائی بیان کی البتہ ماں کی موجودگی کی وجہ سے جاب کے لیے جگہ جگہ خوار ہونے والی بات کو وہ گول کر گیا تھا۔ مریم نے اس کی بات سنی، اثبات میں سر ہلایا اور کھڑی ہو گئی۔

"تم نہا لو۔ میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ زبیر اس کی ہدایت پر عمل کرتا باتھ روم میں گھس گیا۔ جہاں اس کے صاف ستھرے استری شدہ کپڑے لٹک رہے تھے۔ وہ نہا کر آیا تو مریم نے کھانا لگا دیا۔ دونوں فرش پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں دسترخوان اور اس پر سجا کھانا۔

"تم نے مجھ سے دوبارہ وعدہ خلافی کی ہے۔" مریم بے حد سنجیدہ تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ایک ہی جگہ انٹرویو کے لیے گیا تھا۔ بہت سارے لوگ تھے وہاں۔ تم جانتی تو ہو وہ کراچی کا مشہور ترین کوچنگ سینٹر ہے۔ اور ہے بھی بہت دور۔" اس نے آواز دھیمی کر کے کہا۔

"صبح نو بجے سے تین بجے تک تم یونی میں ہوتے ہو۔ وہاں سے سیدھے کوچنگ جاؤ گے چار پانچ گھنٹے وہاں گزر جائیں گے، واپس آتے آتے آدھی رات ہو جائے گی۔ پھر اپنی تعلیم پر کب توجہ دو گے؟ دو سال ہی تو رہتے ہیں تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے گی اور پھر میں جاب چھوڑ دوں گی۔ تم اپنے دماغ سے پارٹ ٹائم کا کیڑا نکال دو۔ ابھی سے خود کو تھکاؤ گے تو آگے کیا کرو گے؟" اس نے نوالہ حلق میں اتارنے کے بعد کہا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔ مریم کی عادت تھی وہ ہر دوسرے تیسرے نوالے کے بعد پانی کے چند گھونٹ لازمی پیتی تھی۔

"تم بھی صبح پانچ بجے سے رات گیارہ بجے تک مصروف رہتی ہو۔" زبیر نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"لیکن میری تعلیم مکمل ہو چکی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تمہاری تعلیم مکمل نہیں ہوئی، تم اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ چکی ہو۔ اور کیا صرف وہی لوگ تھکتے ہیں جو پڑھتے ہیں؟" زبیر نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پڑھنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور ایم بی اے کرنا تو بالکل بھی آسان نہیں۔ مستقل پڑھائی انسان کا دماغ خشک کر دیتی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"وہ مستقل محنت زندگی خشک کر دیتی ہے۔" زبیر نے دو بدو کہا وہ ہنس پڑی۔

"کتنی بے وقوفانہ بات کر دی تم نے۔" وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔

"اور ہاں تمہیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جاب میں اپنے لیے ڈھونڈ رہا ہوں۔ یونی میں کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو مجھ پر، میری معصومیت پر مرتی ہیں لیکن خالی جیب کی وجہ سے میں ان کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ کہ کہیں پول ہی نہ کھل جائے اور ان بے چاریوں کو لگتا ہے کہ میری ماں نے ایک انسان کو نہیں فرشتے کو جنم دیا ہے۔ جس کا نام زبیر ہے۔ اور وہ ان کی یونی ورسٹی میں بغیر پروں کے گھومتا ہے۔ آنکھیں جھکا کر۔" اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا کہ مریم کے لیے ہنسی قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ ہنستے ہنستے اس کی نظر زبیر پر پڑی وہ بڑی محبت اور عقیدت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہنستی رہا کرو۔" اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ کتنی ہی دیر وہ اپنی پیشانی کو چھوتی رہی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے ابو نے اس کا ماتھا چوما ہو۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں کی شدت میں تیزی آ چکی تھی۔ سنسان سڑک پر گاڑی دوڑاتے گرم جیکٹ پہنے ہوئے بھی اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ شیشہ نیچے تھا۔ تیز ہوا کے تھپیڑے سیدھا اس کے چہرے سے ٹکراتے۔ ناک اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں مگر اس نے شیشہ اوپر نہیں کیا۔ ڈرائیو کرتا رہا۔

خاموشی، تیز ٹھنڈی ہوا، سرد موسم اور تنہائی۔ یہ ماحول اس کا پسندیدہ تھا۔ اور اب جب اسے یہ ماحول میسر آ ہی چکا تھا تو وہ اسے بھرپور طریقے سے محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ کبھی کبھی کا یہ سناٹا بڑا دلکش لگتا ہے۔ اکیلے ہی لانگ ڈرائیو کے بعد جب اس نے گاڑی اپنے بنگلے کے سامنے روکی تو ہاتھ کسی لکڑی کی طرح اکڑ چکے تھے اور برف کی طرح سرد تھے۔ ہارن بجانے پر چوکیدار نے دروازہ کھولا تو وہ گاڑی اندر لے آیا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے گرمائش محسوس ہوئی۔ کمرے کا ہیٹر آن تھا۔ وہ مسکرایا۔

"تو دادی اماں واپس آ گئیں۔" سوچتے ہوئے اس نے جیکٹ اتار کر صوفے پر اچھالی۔ اور واش روم میں گھس گیا۔ واپس آیا تو بیڈ پر دادی اماں بیٹھی تھیں۔ گرم شال اپنے گرد لپیٹے، وہ سیدھا ان کے پاس آیا اور ان کے گلے لگ گیا۔

"مجھے پتا چل گیا تھا کہ آپ واپس آ چکی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "ایک فون کر دیتیں میں خود آ کر لے جاتا آپ کو۔" وہ مزید بولا۔

"عفان گھر پر تھا، اسی لیے تمہیں نہیں بلایا اور اسی کے ساتھ آ گئی۔ کیسی طبیعت ہے میرے بچے کی؟ کھانا کھایا؟" انہوں نے لاڈ سے پوچھا۔ موحد کو بھوک نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے کھانا نہیں کھایا۔ ملازمہ شاید جاگ رہی ہو۔ میں اسے کہتا ہوں وہ کھانا گرم کر دے گی۔" وہ شرافت سے بولا حالانکہ شرافت سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

"تم اس غریب کی نیند نہ خراب کرو۔ کچھ دیر پہلے ہی میں نے اسے کوارٹر میں بھیجا ہے، تمہاری ماں نے اسے بٹھا رکھا تھا کہ جب تک تم نہ آؤ وہ تمہارے انتظار میں بیٹھی رہے۔ خود تو آج تک کسی ایک بھی دن اپنی اولاد کے لیے نیند کی قربانی نہیں دی اور غریب لوگوں سے زبردستی خدمتیں کرواتی ہے۔" وہ یقیناً بھری بیٹھی تھیں، وہ خود بھی مجل ہو گیا۔ یہ اسی کا آرڈر تھا کہ کوئی ایک ملازم لازماً اس کے لیے موجود ہو اگر وہ رات دیر سے بھی گھر واپس آئے اور بھوکا ہو تو اسے خود سے کچن میں جانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ اور نہ کھانا گرم کرنے کا کشٹ اٹھانا پڑے۔ وہ کیا جواب دیتا چپ ہو رہا۔ دادی بستر سے اٹھ گئیں۔

''تم یہیں بیٹھو۔ میں کھانا یہیں لے آتی ہوں۔ تمہارے کمرے میں اس لیے آئی تھی کہ ہیٹر بند کردوں یہ نہیں معلوم تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی۔''

ان کے انداز میں بے حد محبت تھی۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''میں آپ کے ساتھ ہی کچن میں چلتا ہوں۔ وہاں بھی گرمائش ہو گی سکون سے کھانا کھاؤں گا اور آپ سے باتیں بھی ہو جائیں گی۔'' موحد نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ دونوں دادی پوتا باورچی خانے میں آگئے۔ وہ خود کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا جبکہ وہ اس کے لیے تازہ چپاتی بنانے لگیں۔ ان کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی مگر آج بھی وہ صحت مند اور بہت ایکٹو خاتون تھیں۔

''جب تمہارے باپ کی شادی نہیں ہوئی تھی اس وقت وہ بھی یونہی بیٹھ کر روٹی پکنے کا انتظار کرتا تھا۔ میرے ہاتھ کے علاوہ اسے کسی کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں تھا۔ اور اب جب دیکھو کبھی ایک جگہ ڈنر میں مصروف تو کبھی دوسری جگہ۔ لوگوں سے چھوٹتے ہیں تو بیوی کو لے کر لنڈوروں کی طرح گھومتے ہیں۔ گھر میں تو میں نے اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔'' دادی باتونی خاتون تھیں۔ جتنی تیزی سے ان کے ہاتھ چلتے تھے اسی قدر اسپیڈ سے وہ باتیں بھی کرتی تھیں۔ موحد ہنسی دبائے ساری توجہ ان پر رکھے بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''تمہاری شادی ہو جائے گی تو تم بھی باپ کی روش اختیار کرلو گے۔ لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا دادی۔'' انہیں خاموش ہوتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔ گرم گرم پھولی ہوئی روٹی دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی۔

''لیکن یہ کہ جب تم بچوں کو گھر میں چھوڑ کر بیوی کو ساتھ چمٹائے لور لور پھرو گے تو ان کا خیال کون رکھے گا؟ تم اپنے بچوں کے لیے میری جیسی دادی کہاں سے لاؤ گے؟ تمہاری ماں نے تو ماشاء اللہ۔ اپنے بچے نہیں سنبھالے پوتا پوتی کیسے سنبھالے گی۔''

روٹی اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ ایک پلیٹ میں کباب تھے اور دوسری میں چکن کا سالن۔ اتنا سادہ کھانا وہ صرف تب کھاتا تھا جب دادی کے ہاتھ کا بنا ہو۔ اور کھانے کی شکل دیکھ کر ہی وہ پہچان گیا تھا کہ انہوں نے ہی کھانا بنایا ہے۔

''میرے بچوں کے لیے بھی میری دادی کافی ہوں گی۔'' کھانے پر توجہ گاڑ کر وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''چل ہٹ۔ میں کیا بڑھاپے کے اختتام تک بچے ہی سنبھالوں گی؟'' وہ ایسے بدکیں کہ موحد کا قہقہہ چھوٹا اور تب ہی نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے گلے میں رسی ڈال کر جھٹکا دے دیا ہو۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی سانس بند ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کھانس رہا تھا۔ دادی گھبرا گئیں۔ فوراً اٹھ کر زور زور سے اس کی پشت سہلانے لگیں۔ موحد کی آنکھوں سے پانی چھلکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی سانس بحال ہوئی۔ پانی پیا۔ اور آنکھیں صاف کیں۔

''آرام آرام سے، پرسکون ہو کر کھانا کھایا کرو۔ اللہ صحت دے میرے بچے کو۔'' انہوں نے دعا دی، موحد صرف مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ جیسی دادی اس کے پاس ہے کسی کے بھی پاس نہیں ہوں گی۔ کچھ دیر مزید ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کر کے وہ کمرے میں چلا آیا۔ اسے ایک بھرپور اور پرسکون نیند اپنی جانب بلا رہی تھی۔ بستر پر گرتے ہی وہ سو گیا۔ صبح اسے یونیورسٹی بھی جانا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ایک اور محنت طلب اور مشقت بھرا دن اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز سنتے ہی وہ جاگ گئی۔ بستر چھوڑنے پر اسے احساس ہوا کہ آج سردی اس کی ڈھٹائی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کھونٹی سے لٹکتی شال اپنے گرد لپیٹ کر وہ باہر آگئی۔ سیمنٹ سے بنا فرش بھی سرد تھا۔ وہ کی سی کرتی پلاسٹک کی چپل تلاش کرنے لگی اور چپل دکھائی دیتے ہی اسے پاؤں میں اڑس کر زبیر کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

digest library.com

"اٹھ گیا ہوں۔" دوسری بار دروازہ بجانے پر اس کی نیند میں ڈوبی آواز آئی تو وہ وضو کرنے چل دی۔ لیکن اس سے پہلے اس نے ایک ٹین میں پانی بھر کر چولہے پر رکھ دیا تھا۔ پانچ منٹ میں ہی وہ اتنا گرم ہو گیا کہ اس میں تھوڑا سا اور پانی ملا کر وضو کیا جاسکے۔ خود تو وہ نماز ادا کر چکی تھی۔ غسل خانے میں رکھی پلاسٹک کی بڑی سی بالٹی میں اس نے پانی ڈالا اور ٹھنڈا پانی مکس کیا۔ زبیر تب تک کمرے سے باہر آچکا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ باورچی خانے میں آگئی اور چھوٹی دیگچی میں پانی ابالنے کو رکھ دیا۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے جاچکا تھا۔ وہ واپس آیا مریم نے اسے ایک کپ تھمایا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ابلے ہوئے ہلکے سے رنگ کے پانی کو دیکھ کر پوچھا۔

"یہ پودینے کا پانی ہے۔ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے اور وزن بھی کم کرتا ہے۔ دن بدن تمہارا پیٹ بڑھتا جارہا ہے۔ خود تو تمہیں کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔" زبیر نے بے اختیار اپنے پیٹ کی طرف دیکھا اسے احساس ہوا کہ مریم بالکل درست کہہ رہی ہے۔

"سوچ رہا ہوں جاب ملنے کے بعد جم جوائن کرلوں۔" کپ منہ سے لگاتے ہوئے اس نے کہا۔

"ضرور کرنا لیکن جب تک تم جم جوائن نہیں کرتے تب تک نہ تو تمہیں صبح ناشتے میں پراٹھا ملے گا اور نہ ہی تم کوئی تلی ہوئی چیز کھاؤ گے۔" اس نے آرڈر جاری کیا۔

زبیر کی تو جان پر بن گئی تھی۔ اس نے خوب منتیں کیں لیکن وہ نہ مانی بالآخر امتحانات کا بہانہ کر کے وہ اسے منانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ ڈائٹنگ پلان ایگزامز کے بعد ہی شروع کیا جاتا۔ زبیر نے سوچ لیا تھا کہ وہ روزانہ دوڑ لگائے گا تاکہ کچھ تو وزن قابو میں آئے۔ من پسند ناشتا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اور کھا پی کر وہ یونیورسٹی سدھار گیا۔ جبکہ وہ بھی اسکول کے لیے روانہ ہو گئی۔ مریم کی ٹھیک ٹھاک تنخواہ تھی۔ اس کے علاوہ ٹیوشن اور سلائی سے بھی وہ کافی کما لیا کرتی تھی لیکن یہ تینوں کام ہی انتہائی محنت طلب تھے۔ اور سارے گھر کے اخراجات اس کے ذمہ تھے تو وہ بمشکل ہی بچت کر پاتی تھی، اس کی خواہش تھی کہ وہ پرائیویٹ ایم اے کر لے لیکن اتنے ٹف شیڈول کے ساتھ پڑھائی کا اضافی بوجھ اٹھانے کی سکت اس میں نہیں تھی۔

وہ تھی بھی دبلی پتلی۔ اس بھاگم بھاگ روٹین میں وہ موٹی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ مریم دراز قد کے ساتھ پرکشش لگتی تھی۔ لیکن اس کے نقوش خوب صورت نہیں تھے۔ عام سے تھے۔ البتہ چہرے کے کٹ بہت حسین تھے۔ لمبی پلکیں، کمان ابرو، خوبصورت نازک ہاتھ، لمبے بال اور صراحی دار گردن۔ جسمانی اعتبار سے شاید اس کا ثانی کوئی بھی نہیں تھا۔ لیکن چہرے اور رنگ کی بات آئے تو وہ اکثر کہیں پس منظر میں چلی جاتی تھی۔ لیکن اس کی آواز۔ لہجے کا اتار چڑھاؤ۔ بولنے کا طریقہ ایسا تھا کہ مقابل اس کی بات پر توجہ دینے پر خود کو انتہائی مجبور پاتا۔ کچھ اس نے بھی اپنے ظاہری حلیے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اگر وہ اپنا خیال رکھتی تو یقیناً وہ خوب صورت دکھائی دیتی۔

اسکول میں بھی اس کا عبایا اس کے جسم کو ڈھانپ کر رکھتا تھا۔ اور چہرہ اسکارف میں چھپا ہوتا۔ وہ صرف تب ہی نقاب کھسکاتی جب اسٹاف روم میں وہ اکیلی ہوتی۔ کم ہی کسی نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اور جو بھی اس کی آواز سے متاثر ہو کر اسے دیکھتا نجانے کیوں مایوس ہو جاتا۔ شروع شروع میں اسے یہ بات بہت عجیب محسوس ہوتی تھی۔ وہ رات دیر تلک آئینے میں خود کو دیکھ کر نقص ڈھونڈنے کی کوشش کرتی مگر اسے کچھ بھی نامکمل نہ لگتا۔ ہاں میلا سا رنگ تھا۔ وہ کسی گرم علاقے میں موجود دیہات کی ناری لگتی۔ اسے اپنا یہ رنگ وروپ پسند تھا۔ مگر اسے ادراک ہو گیا تھا کہ لوگوں کو اس میں حسن دکھائی نہیں دیتا۔ کچھ وقت بعد اسے یقین ہو گیا کہ اس کی شکل کی حامل لڑکیوں کو کسی مرد کی قبولیت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ اور یہ یقین اسے تب ہوا تھا جب اس کے پڑوس میں رہنے

والی رشتے کروانے والی بوا ان کے گھر آئیں۔ ...نوں اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔ انہیں اس ... معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر واپس آچکی ہے۔ بوا زلیخا سے کہہ رہی تھی۔

"مریم کا رشتہ طے کرنا ہے کہ نہیں؟ بائیسویں سال میں لگ گئی ہے۔ محلے والے کہتے ہیں کہ زلیخا اس کی کمائی کے لالچ میں ہے اور شاید کبھی شادی نہ کرے گی اس کی۔" بوا کی صاف گوئی پر وہ بری طرح بدکی تھیں۔

"محلے والوں کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے۔ تم بھی ان کی کی گئی باتیں یہاں آکر دہراؤ گی؟ جہاں تک اس کی تنخواہ کی بات ہے تو مجھے اس کا لالچ نہیں۔ پیسا اس گھر کی ضرورت ہے۔ وہ اکلوتی کمانے والی ہے اسے بیاہ دیا تو کیا محلے والے کما کر کھلائیں گے؟ زبیر کی پڑھائی پوری ہو جائے اس کے بعد مریم کی شادی بھی کردوں گی۔" زلیخا کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔ انہوں نے دوٹوک بات کی۔ بوا جانتی تھیں کہ زلیخا بدلحاظ عورت ہے سو فوراً ہی بات پلٹی۔

"تمہیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گھر میں کوئی ہلچل کرواؤ۔ لوگ آئیں، اسے دیکھیں، ارے چٹکی بجاتے تو رشتہ طے نہیں ہو جاتا۔ حسین حسین لڑکیاں اچھے رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ مریم تو پھر ہلکے رنگ کی اور عام سی ہے۔ سال دو سال تو رشتے والوں کے سامنے پیش ہونے ہونے میں نکل جائیں گے۔" مریم کو لگا جیسے کسی نے گرم گرم چائے اس کے چہرے پر پھینک کر چہرہ جھلسا دیا ہو۔

"اچھی خاصی ہے۔ بس رنگ ذرا ہلکا ہے۔ تم نے غور نہیں کیا ہوگا، میں نے دیکھا ہے اسے۔ اسے کم مت سمجھنا۔ کمر سے نیچے تو بال ہیں اس کے۔ پڑھی لکھی، بات چیت کے سلیقے سے آشنا، گھر کے ہر کام میں ماہر، سلائی کڑھائی اسے آتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ گھر اس کے نام ہے خود بھی کام کرتی ہے۔ کون ہے جو اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہے گا بھلا؟ آج کل کے لڑکوں کو دبلی پتلی اور پرکشش عورتیں پسند آتی ہیں۔" انہوں نے اس کا کافی تفصیلی جائزہ پیش کر دیا تھا۔ بوا برا مان گئیں۔

"ہم نے تو اس کے جلوے نہ دیکھے، جب دیکھو، دوپٹا سر سے پیر تک لپیٹ کر رکھا ہوتا ہے۔ کپڑے کے تھیلے کی طرح کھلے ڈلے کپڑے پہن کر رکھتی ہے موئی آواز کا کوئی کیا کرے گا بھلا؟ اس سے گانے تو نہیں گوانے۔" اس نے ان کی اسی طرح کی گفتگو سنی اور خوب سنی۔ پھر خاموشی سے کمرے میں آگئی۔ اس واقعے کے بعد مریم نے شیشہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ ساتھ کام کرنے والی فی میل کولیگز کی فرمائش پر وہ انہیں اپنا چہرہ دکھاتی اور تاثرات پر یوں ہو جاتی جیسے کسی اور کو دیکھ کر ناگوار حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہو۔ انہیں حیرت اس لیے زیادہ ہوتی تھی کہ مریم کی آواز سے لے کر اس کے ہاتھ پاؤں قد کاٹھ ہر شے معمول سے زیادہ حسین تھی۔ اور چہرے کے نقوش عام سے۔

آج ایک بار پھر اسکول میں یہی قصہ دہرایا گیا۔ عارفہ نے انتہائی معصومیت اور محبت سے اس سے فرمائش کی تھی۔ مریم کا رنگ پھر سے پھیکا پڑا تھا۔

"میں بالکل عام سی شکل و صورت کی ہوں۔ دیکھ کر افسوس میں مبتلا ہو جاؤ گی۔" اس نے بظاہر عام سے انداز میں یہ جملہ ادا کیا تھا لیکن عارفہ ان لفظوں کے پیچھے چھپی اذیت محسوس کر گئی۔

"مریم۔ میرے لیے حسن کا معیار گورا رنگ، بڑی آنکھیں نہیں ہیں۔ تم میری دوست ہو۔ تمہارے نین نقش معمولی ہوں یا خاص مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق پڑتا ہے تو تمہارے رویے سے۔ میں تمہاری نرم مزاجی اور دوستانہ طبیعت سے متاثر ہوئی ہوں۔ ہاں اگر اس میں فرق آیا تو مجھے افسوس ہوگا۔ تمہیں دیکھ کر ہرگز نہیں۔" مریم جانتی تھی کہ عارفہ کی کہی گئی باتیں محض لفاظی نہیں۔ اس نے سیاہ اسکارف چہرے سے کھسکایا۔ مٹیالے رنگ کا چہرہ روشن ہو گیا۔ اب عارفہ انتہائی ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اسے غصے سے گھورتا دیکھ کر مریم نے بے چارگی سے پوچھا۔

"کیسی لڑکی ہو تم۔؟ خدا کا خوف ہے کہ نہیں؟

digest library.com

اچھی خاصی شکل ہے تمہاری، اور تم یوں بول رہی تھیں جیسے خدا ناخواستہ تمہارا چہرہ کٹا پھٹا ہے۔" مریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔ عارفہ نے جھنجلا کر پرس سے شیشہ نکالا اور اس کے سامنے کیا۔

"دیکھو خود کو۔ اپنی رنگت دیکھو۔ کوئی ہے اسی رنگت کا مالک؟ یوں لگتا ہے جیسے چکنی مٹی کو گیلا کر رکھا ہو۔ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ تمہارے چہرے پر ہاتھ پھیروں۔ کہ آیا یہ رنگ اصلی ہے کہ نہیں۔" مریم ان تعریفوں پر اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

"کیا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جو تمہیں دیکھ کر منہ بناتی ہیں ناں اصل میں وہ جیلس عورتیں ہیں۔ جل جاتی ہیں تمہاری انفرادیت دیکھ کر۔ اور تم ان کی باتوں کا یقین کر کے خود کو کم تر محسوس کرتی ہو؟ تمہاری عقل کو سات توپوں کی سلامی وہ بھی تمہیں توپ کے آگے کھڑا کر کے۔" اس کے آخری جملے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گھر آ کر سب سے پہلے اس نے شیشہ دیکھا۔ چہرے میں دکھائی دیتے عکس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے اختیار اپنا چہرہ چھوا۔ کتنا روشن چہرہ تھا اس کا۔ وہ ہنس پڑی۔

شام کو زبیر گھر آیا۔ آج وہ جلدی آ گیا تھا۔ مریم کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ وہ صرف اس سے باتیں کرتے ہوئے ہی ہنسا کرتی تھی۔ کبھی اسے مسکراتے چہرے کے ساتھ کام میں مگن نہیں دیکھا تھا اس نے۔ وہ آئی، اسے پانی پلایا اور پھر چائے بنانے چل دی۔ زبیر باہر صحن میں بیٹھ گیا۔ زلیخا بھی چارپائی پر براجمان تھیں۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں مکان خالی ہے۔" انہوں نے بات کی ابتدا کی۔ زبیر ہاتھ کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"آ جائیں گے کرائے دار بھی۔" اس نے ہلکا سا سر گھما کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے ایک نظر چائے بناتی مریم پر ڈالی اور گلا کھنکارا۔

"ماجدہ کی بیٹی کے ہاں بچی کی پیدائش ہونے والی ہے۔ وہ کل پرسوں لاہور کے لیے نکل جائے گی۔" بات وہ زبیر سے کر رہی تھیں لیکن نگاہیں مریم پر تھیں۔ کپوں میں چائے انڈیلتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ زبیر بھی ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"لیکن ہم اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے۔" مریم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی زبیر بول پڑا۔ زلیخا کو اس کا بولنا سخت ناگوار گزرا۔

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اور تم زیادہ زبان مت چلاؤ۔" انہوں نے اسے غصے سے جھڑکا۔ مریم چائے کی ٹرے اٹھا کر باہر آ گئی۔

"آپ کیجیے بات مکمل۔" زبیر کو منہ کھولتا دیکھ کر مریم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش ہونے کا کہا۔

"پچھلے سال جو ہوا، میں اس کے بعد یہ بات کبھی نہ کہتی لیکن اب وہ بدل گیا ہے۔ وہ اپنی کی گئی تمام غلطیوں پر بے حد شرمندہ ہے۔ اس نے یا اس کی ماں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ وہ اس گھر میں رہے۔ لیکن ظاہر ہے وہ ماں کے جانے کے بعد اکیلا ہو گا۔ اور گھریلو معاملات میں اطہر بالکل کورا ہے۔ اسے بہت مشکل پیش آئے گی یہ دیکھ بھال تو ہمیں ہی کرنا پڑے گی۔ کرائے کا مکان بھی خالی ہے۔ اچھا ہے کہ وہ دو ماہ کے لیے یہاں آ جائے۔ کرایہ بھی دے گا اور اس کے کھانے پینے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" زلیخا میں لاکھ خامیاں سہی لیکن وہ ہمیشہ دوٹوک بات کرتی تھیں۔ مریم نے بے حد مشکل سے ضبط کیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اطہر کو کسی بھی صورت اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ کرائے دار کی حیثیت سے بھی نہیں۔ ماجدہ خالہ اگر اتنے لمبے ٹور پر جا رہی ہیں تو یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کا مستقل حل سوچ کر جائیں۔ دوسری بات یہ کہ اطہر کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے۔ اور جگہ جگہ ڈھیروں ڈھیر ہوٹل کھلے ہوئے ہیں کہیں بھی جا کر کھانا پینا کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے زبردستی اسے اس گھر میں بلایا تو نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔" مریم نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''تم مجھے دھمکا رہی ہو؟'' زلیخا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میں آپ کو نہیں دھمکا رہی۔ میں ہر معاملے میں خاموش ہوجاتی ہوں لیکن جہاں بات میری عزت پر آئے گی میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کروں گی۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ زلیخا کو پہلی بار بہت عجیب سا محسوس ہوا۔ زبیر بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اس کے کرب کا اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔

''کیا کرو گی تم؟''

''آپ یہ بات مت بھولیں کہ یہ گھر میرے نام ہے۔ اگر آپ میری اجازت کے بغیر یہاں کسی کو لے کر آئیں گی تو میں پولیس میں شکایت درج کروادوں گی۔'' اس نے اتنی بڑی بات بے حد آسانی سے کہہ دی تھی۔ مریم نے اتنے سالوں میں کبھی بھی اس بات کو نہیں جتایا تھا کہ یہ گھر اس کا ہے۔ گھر کے اصل کاغذات ایاز نے اپنی زندگی میں ہی بینک میں جمع کروا دیے تھے۔ اس کے پاس ان کاغذات کی کاپی تھی۔ بات مکمل کر کے وہ کھڑی ہوئی ٹرے سے چائے کا کپ اٹھایا اور اپنے کمرے میں گھس گئی۔ زلیخا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''سنا تم نے یہ کیا کہہ کر گئی ہے؟'' زبیر ان کے واویلے پر چونکا۔

''اس نے جو بھی کہا اس میں آپ کو کیا غلط لگا؟ آپ نے ہی اسے اس حد تک جانے پر مجبور کیا ہے۔'' زبیر نے مریم کی طرف داری کی۔

''تم تو ہو ہی اس کے چمچے۔'' زلیخا بپھر گئیں۔

''تو آپ بھی مجھے اپنا چمچہ بنالیں۔ بنا سکتی ہیں؟ چمچہ بنانے کا گر بھی کسی کسی کو آتا ہے۔'' وہ بول کر جھٹ سے وہاں سے اٹھ گیا۔ جانتا تھا کہ وہ مزید وہاں بیٹھا تو چپل پڑے گی ہی پڑے گی۔ زلیخا کا بس نہ چلتا تھا کہ دونوں کو کچا چبا ڈالیں۔

☆☆☆

موحد یونی ورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا تھا۔ سامنے رکھی ٹیبل پر کھانے کی کئی چیزیں موجود تھیں۔ اس کے عین سامنے تانیہ بھی براجمان تھی۔ جو نزاکت سے کھانے میں مصروف تھی۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کی ہر حرکت پر موحد کی نگاہ ہے۔ وہ اپنی تمام تر دلچسپی اسی پر مرکوز کیے بڑی خطرناک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تانیہ کو ایسی ہی نگاہیں مسحور کرتی تھیں۔ کچھ دن پہلے ہی تانیہ نے اس کی توجہ کھینچی تھی۔ اور نتیجے کے طور پر اب وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پسندیدگی کی سند دے چکے تھے اور دے رہے تھے۔ موحد نے بھی کوک کے کین کو اپنے منہ سے لگایا۔ تانیہ نے چند ماہ پہلے ہی اس تعلیمی ادارے کو جوائن کیا تھا۔ مگر موحد کی نگاہوں میں وہ اب اتری تھی۔

''شام کو کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کوک کا گھونٹ حلق سے اتار کر پوچھا۔

''تمہاری دعوت کا انتظار۔'' تانیہ نے بال جھٹکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''موحد کو یہ بات بہت مزا دیتی تھی جب کوئی لڑکی اپنی تمام تر توانائی اسے متاثر کرنے، اس کی توجہ کے حصول یا اس کی طرف سے دی جانے والی توجہ کو برقرار رکھنے میں صرف کرتی ہو۔ تانیہ حسین تھی، طرح دار، ادائیں دکھانے اور مقابل کو چاروں شانے چت کرنا اسے خوب آتا تھا۔ وہ نہ تو قدموں میں گرتی تھی نہ ہی کسی کو گراتی تھی۔ اور یہی ایک صفت تھی جس نے اسے اس جیسی باقی لڑکیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ یہی امتیازی خاصیت موحد کو درکار تھی۔ وہ ہمیشہ اس عورت کو اپنی قربت دیتا جو کسی نہ کسی اعتبار سے دوسروں سے مختلف ہوتی۔ اسے دوسروں سے الگ لگنے کا خبط تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ہر وہ چیز جو اس کی دسترس میں ہے، ویسی کسی اور کے پاس نہ ہو۔ کپڑوں، جوتوں سے لے کر ہر شے میں وہ بے حد چوزی تھا۔ اور اپنے لیے ہر ہر چیز وہ خوب چھان پھٹک کر خریدا کرتا تھا۔ کسی اور کی پسند کردہ چیز کم ہی اسے بھاتی تھی۔ اس کی اس عادت کے باعث اس کے تمام قریبی

digest library.com

لوگ پریشان رہتے تھے۔ موحد کے لیے تحفوں کی خریداری بھی ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ شادی کے معاملے میں کسی حور سے کم پر کسی صورت اکتفا نہیں کرے گا۔ اسے بھی یہی خوش گمانی تھی۔

تانیہ سے ملاقات طے کرکے وہ اس سمت آگیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہ زبیر پر پڑی۔ وہ اس کا جونیئر تھا، اور جب پہلی بار وہ یونی ورسٹی آیا تھا تب موحد نے ہی اس کی ریگنگ کی تھی۔ تب سے آج تک اس لڑکے نے دوبارہ موحد سے بات تو دور اس کی جانب دیکھا تک نہیں تھا۔ اسے زبیر کا نگاہ پھیر کر گزر جانا بہت چبھتا تھا۔ موحد کو جب بھی زبیر دکھائی دیتا اسے اپنا کارنامہ یاد آتا، وہ ریگنگ سے زیادہ بے عزتی تھی جو اس کے ہاتھوں زبیر نے اٹھائی تھی۔ مگر وہ خاموش رہا تھا۔ آج بھی وہ خاموش ہی تھا۔ اور ہمیشہ ہی موحد چند لمحوں کے لیے شرمندہ ضرور ہوتا، اس کا جی چاہتا وہ اس سے جاکر معذرت کرلے لیکن ایسا کرنے میں انا آڑے آجاتی تھی۔ موحد کوئی انتہائی حساس یا ذمہ دار لڑکا ہرگز نہیں تھا۔ مگر صرف چند لوگوں کے معاملے میں وہ اپنی فطرت کے الٹ چلتا تھا۔ جن میں زبیر خود بخود ہی شامل ہوگیا تھا۔

اگر زبیر اس وقت کوئی جوابی کارروائی کرتا، اس سے جھگڑا کرتا یا کوئی بھی ایسا عمل جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کی حرکت کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے یا یہ عمل موحد کی بدتمیزی کی جوابی کارروائی ہے تو وہ شرمندہ ہونا تو دور الٹا زبیر کا جینا حرام کردیتا۔ مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ صرف ایک نگاہ اسے دیکھا تھا۔ اس نگاہ میں نجانے کیا تھا کہ ہنستے ہوئے اس کے دوست تک چپ رہ گئے تھے۔ جبکہ موحد ساکت۔ دوبارہ اس نے کسی بھی ایسے لڑکے کی ریگنگ نہیں کی جو مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہو۔

زبیر فون پر کسی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گیا۔ شیشے سے اب بھی زبیر کسی سے بات کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ موحد اس سے توجہ ہٹا کر گاڑی اڑا کرلے گیا۔ کچھ دیر پہلے ہی دادی کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''موحد بیٹا۔ آج جلدی گھر آنا، میں نے تمہارے لیے بریانی بنائی ہے۔ تمہاری ماں بھی اتفاق سے گھر پر ہے۔ مجھے کام کرتا دیکھ کر منہ بنانے لگی کہ بھلا آپ کو اس عمر میں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لو بتاؤ میں کون سا نوے سال کی بوڑھی ہوں۔ خود تو جوان جہان ہوکر بھی ہل کر پانی نہیں پیتی۔ اور چاہتی ہے کہ میں بھی اس کی طرح معذوروں والی زندگی گزاروں۔ میں نے کہا کہ بھئی تم بھی کچن میں جھانک لو۔ بچوں کو بھی اپنے ہاتھ کا بنا بھی چکھادو۔ میری اس بات پر تمہاری ماں کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرنے لگی۔ اور کہتی ہے کہ خانساماں کے ہوتے میں کیوں خود کو ہلکان کروں؟ دیکھو اپنی دادی کا کرشمہ۔ تمہاری ماں کے منہ سے بھی توبہ توبہ نکلوادی۔'' اور وہ زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔ تانیہ اسے فون پر اس طرح ہنستے دیکھ کر حیران ہوگئی تھی، برگر کی جانب بڑھتا ہاتھ رک گیا تھا۔

''اچھا میں فون رکھتی ہوں آدھے گھنٹے میں پہنچو اور ہاں یاد آیا وہ جو سیلفی اسٹک ہوتی ہے وہ بھی تیار رکھنا آج ماشاء اللہ عرصے بعد سب ساتھ ہوں گے ایک یادگار سیلفی ہونی ہی چاہیے۔'' اس بار اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ اور ''جی اچھا میں آتا ہوں'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

''کس کا فون تھا؟ کون لطیفے سنا رہا تھا؟'' موحد کو ہنستا دیکھ کر اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

''میری دادی کا فون تھا۔ کھانا بنا کر انتظار کر رہی ہیں۔ میں نکلتا ہوں۔ شام کو ملیں گے۔'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دادی نے اسپیشلی تمہارے لیے کوکنگ کی؟'' وہ تحیر کا اظہار کرنے لگی

''ہاں۔ وہ جب بھی ہمارے گھر رہنے آتی ہیں۔ میرا خیال اسی طرح رکھتی ہیں جیسے میں کوئی چھوٹا بچہ

ہوں۔" وہ دونوں ایک ساتھ چلنے لگے تھے جب اس نے بتایا۔

"کاش میری بھی کوئی دادی ہوتی۔ جو ایسی ہی ہوتیں جن کا فون سن کر میں اس طرح ہنستی جیسے ابھی تم ہنسے۔" وہ حسرت سے بولی۔ موحد ایک دم رک گیا۔

"کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟" تانیہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میری لاسٹ گرل فرینڈ کے ساتھ میرا بریک اپ اس لیے نہیں ہوا کہ میں اس سے بور ہوگیا تھا۔ بلکہ اس لیے ہوا کیونکہ وہ میری دادی ماں کی کال آنے پر ناگواری کا اظہار کرتی تھی۔" اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے بتایا۔ وہ مسکرائی۔ مگر جواباً کچھ نہیں بولی۔

"لیکن تم واقعی الگ ہو۔ بہت زیادہ نہیں لیکن ہو۔ میں تمہارے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہوں۔" اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ بولا۔

اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچا تو ڈائننگ روم میں گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ اس کی ممی، پاپا، چھوٹا بھائی عاصم، جو بیس سال کا تھا۔ عاصم سے بھی چھوٹی عنائیہ۔ اس کی عمر سولہ سال تھی۔ اور دادی بھی۔ اسے آتا دیکھ کر ملازمہ نے پھرتی سے کھانا لگایا۔

"دادی اچھا سا پوز بنائیں میں سب کی تصویر لے رہا ہوں۔" کھانا لگتے ہی اس نے موبائل نکال کر مسکراتے ہوئے دادی سے مخاطب ہو کر کہا۔ دادی مسکرائیں لیکن اس نے لمحے میں محسوس کرلیا تھا کہ ان کا جوش مفقود ہے۔ موحد نے تصویر لی۔ اور موبائل جیب میں رکھ لیا۔ سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ آج ٹیبل پر صرف ایک ہی ڈش تھی۔ ایسی سادگی تب ہی دیکھنے میں آتی تھی جب دادی گھر آتیں۔ اس نے سوچا دادی کی کسی بات پر ممی کا موڈ آف ہوگیا ہوگا یا ایک ڈش پر ان کا اعتراض اٹھا ہوگا۔ سو اس نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ تعریفوں کے پل باندھے انہیں پیار کر کے وہ پھر سے باہر نکل گیا۔

شام کو اسے تانیہ سے ملنا تھا۔ وہ اس کی بتائی ہوئی جگہ پہنچ گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ آمنے سامنے بیٹھے۔ تانیہ نک سک سی تیار گہرے سرخ رنگ کی شرٹ اور کریم کلر کے ٹراؤزر میں ملبوس کافی حسین لگ رہی تھی۔ موحد کی طبیعت خوش گوار ہوگئی۔ وہ دونوں کئی گھنٹے ایک دوسرے کے ساتھ رہے، کھانا کھایا، باتیں کیں، سیلفیاں بنوائیں۔ گھومے پھرے، وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ وہ رات گئے گھر واپس آیا۔ اسے واپسی کے سفر میں یاد آیا کہ اسے دادی کے ساتھ بھی وقت گزارنا تھا۔ جو کہ تانیہ کی سنگت کی نظر ہوگیا۔ گاڑی کھڑی کر کے کمرے میں داخل ہوا تو ہیٹر بند تھا اور کمرہ ٹھنڈا۔

"دادی کہیں ناراض تو نہیں ہوگئیں؟" اس نے سوچا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر دادی کے کمرے کی جانب بڑھا۔ دروازہ ہلکا سا کھلا تھا اور کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اسے بستر پر لیٹا وجود دکھائی دیا۔ موحد نے دروازہ پھر سے بند کردیا۔

"دادی اتنی جلدی کیسے سوسکتی ہیں؟ صبح اٹھ کر پوچھوں گا" وہ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔

صبح دیر سے جاگا۔ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچ کر اس نے ملازمہ سے دادی کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ تو آج صبح سات بجے ہی چلی گئیں۔ عفان صاحب کو فون کر کے بلایا تھا انہوں نے۔ وہ آکر لے گئے انہیں۔" ملازمہ نے اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھتے ہوئے کہا۔ موحد کے ناشتا کرتے ہاتھ تھم گئے۔

"کوئی بات ہوئی ہے گھر میں؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ...... جی...... بی بی جی اور دادی اماں کا جھگڑا ہوگیا۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ جیسے ڈر ہو کہ گھر کا کوئی اور فرد اس کی بات نہ سن لے۔

"سب سو رہے ہیں۔ تم بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

digest library.com

اس نے اپنے اندر اٹھتے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔
"وہ کل دادی اماں نے کہا کہ آج وہ کھانا بنائیں گی کیونکہ آپ کو ان کے ہاتھ کا کھانا پسند ہے۔ پہلے بی بی جی نے اس بات پر اعتراض کیا پھر جب دادی نے مجھ سے حساب مانگا کہ ایک وقت کے کھانے میں کتنا خرچا آتا ہے۔ انہیں اس بات پر بھی غصہ آ گیا۔ دادی نے کہا کہ میں جب تک ہوں ایک ہی ڈش بنائی جائے۔ اور جو پیسے فضول میں ضائع ہوتے ہیں وہ ہم سب ملازموں میں بانٹ دیے جائیں۔ اس پر بی بی جی نے بہت غصہ کیا، ان کو باتیں سنائیں۔ صاحب جی نے کہا بھی کہ اماں جو کرنا چاہتی ہیں کرنے دو۔ تمہیں نہیں کھانا باہر سے آرڈر کر دو لیکن وہ چپ نہ ہوئیں۔ دادی کو طعنے مارے اور۔۔"
"اور کیا؟" اس کا دماغ کھولنے لگا تھا۔
"اور پھر بی بی جی نے کوئی جائیداد کا قصہ چھیڑ دیا۔ جس پر دادی اماں بھی خوب بولیں اور ناراض ہو گئیں۔ وہ اسی وقت واپس جانے لگی تھیں لیکن چھوٹے صاحب اور چھوٹی بی بی نے منت کر کے روک لیا۔ رات تک وہ دونوں انہیں مناتے رہے۔ لیکن وہ صبح ہوتے ہی کسی کو بھی بتائے بنا چلی گئیں۔"
"جائیداد کے معاملے پر کیا بات ہوئی تھی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ کئی سال پہلے ہی تمام جائیداد کے حصے ہو چکے تھے جس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔
"مجھے بی بی نے وہاں سے باہر بھیج دیا تھا۔"
"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جیب سے موبائل نکال کر اس نے عفان کا نمبر ملایا۔ لیکن وہ بند جا رہا تھا۔ اسے تشویش ہوئی۔ گاڑی نکال کر وہ روڈ پر لے آیا۔ دوبارہ کال کرنے کے لیے ابھی فون ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ شیری کی کال آ گئی۔ وہ اسے یونی ورسٹی بلا رہا تھا۔ آج لاسٹ کلاس تھی۔ اس کے بعد امتحانات کے لیے چھٹیاں شروع ہو جاتیں۔ اس نے سوچا کہ وہ شیری کو منع کر دے۔ لیکن پھر پروفیسر صاحب کی بدلحاظی یاد آئی تو عفان کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے وہ یونی ورسٹی کی جانب چلا آیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ کلاس کے بعد سیدھا دادی سے ملنے جائے گا۔ لیکن آج ہی تمام ضروری کام نکل آئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ کچھ اہم ٹاپکس اس کے پاس موجود نہیں اور ان کے حصول کے لیے اسے لائبریری چھاننی پڑے گی۔ وہ لائبریری آیا تو زبیر ایک سائڈ پر پریشان چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کتاب کھلی پڑی تھی، بیگ کتاب کے ساتھ رکھا ہوا تھا، وہیں ایک طرف نوٹس بھی پڑے تھے۔ اور وہ خیالوں میں گم تھا۔ موحد مطلوبہ کتاب کے مل جانے پر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، مگر کتاب پر توجہ برقرار نہ رکھ سکا۔ ہمیشہ پرسکون دکھائی دینے والا زبیر اسے کئی دن سے پریشان دکھ رہا تھا۔ اسے تجسس تھا کہ اسے آخر ایسا کیا مسئلہ لاحق ہو گیا ہے۔
زبیر کچھ دیر یونہی گم صم سی کیفیت میں بیٹھا رہا۔ پھر بیگ کو کھنگالا اور کوئی تصویر برآمد کی۔ تصویر دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
اوہ محبت کا چکر۔ وہ بے اختیار ہنسا۔ اب اس کی ساری توجہ زبیر پر تھی۔ اس کے موبائل پر کال آئی اور وہ فون اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد موحد نے کتاب پر نگاہیں گاڑ دیں۔ آدھے گھنٹے بعد جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو زبیر کا سامان جوں کا توں وہیں پڑا تھا۔
"کیا وہ اب تک واپس نہیں آیا؟" اس نے حیرت سے سوچا۔ اور اٹھ کھڑا ہو گیا۔ کتاب ایشو کروا کر اس نے وہاں بکھرا سارا سامان سمیٹا اور باہر آ گیا۔ پوری یونی ورسٹی چھان ماری مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔
"کیا کروں میں اس کا؟" اس نے بیگ کو آنکھوں کے سامنے کر کے گھورا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ساتھ والی سیٹ پر بیگ پھینک کر اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گھر پہنچ کر اس نے بیگ اٹھایا اور کمرے میں لے آیا۔ کچھ سوچ کر اس نے بیگ بستر پر الٹ دیا۔ بیگ سے نوٹس، پین اور ایک ڈائری

نکلی۔اس نے سب سے پہلے ڈائری اٹھائی۔تصویر نیچے گر گئی۔تصویر کو چھوڑ کر اس نے وہ صفحہ کھولا جس میں تمام نمبر درج تھے۔گھر کا نمبر، آپی کا نمبر، فلاں خالہ کا نمبر وہ اس ترتیب کو پڑھ کر ہنسا مجھے گھر کا نمبر ملانا چاہیے۔ہوسکتا ہے بات ہوجائے۔اس نے خود کلامی کی۔پھر ڈائری الٹ پلٹ کر دیکھی۔دوسری جانب اس کے گھر کا پتا بھی درج تھا۔اور اس پر لکھا تھا۔

"اگر میں کسی حادثے کا شکار ہوجاؤں تو لوگ مجھے لاوارث نہ سمجھیں۔یہ ڈائری انہیں میرے ورثا تک پہنچانے میں مدد کرے گی۔اس ڈائری میں تمام نمبرز اور میرے گھر کا پتا موجود ہے۔" موحد نے باآواز بلند اس نوٹ کو پڑھا اور پھر الٹی پڑی ہوئی تصویر اٹھالی۔تصویر دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

زبیر کی یہ چوائس ہے؟ خود تو اچھا بھلا ہینڈسم ہے۔پھر اس لڑکی میں ایسا کیا ہے جو وہ اس کے لیے آنسو بہارہا تھا۔اس نے تصویر کو آنکھوں کے سامنے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔پھر سارا سامان بیگ میں واپس بھر کر اٹھ گیا۔البتہ ڈائری اور تصویر اپنی پاکٹ میں رکھ لی۔اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے کال کرکے آگاہ کردے گا کہ نوٹس اس کے پاس ہیں۔

کھانا کھا کر وہ پھر گھر سے نکلا۔اس کا رخ عفان کے گھر کی طرف تھا۔جب وہ وہاں پہنچا تو گھر پر تالا لگا ہوا تھا۔اسے تشویش ہوئی۔ایک تو مستقل اس کا نمبر بند تھا۔دوسرا اب گھر میں بھی کوئی نہیں تھا۔وہ واپس پلٹ آیا۔شام کو وہ اور تانیہ ایک پارک میں ملے۔ٹھنڈی ہوا جسم کے آر پار ہورہی تھی۔دونوں نے گرم لباس پہن رکھا تھا۔پارک میں واک کرنے کے بعد وہ ایک بینچ پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔آج وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔بال پونی میں قید کررکھے تھے۔چند لٹیں چہرے پر بکھری تھیں جو ہوا چلنے پر اڑنے لگتیں۔کچھ دیر یہاں وہاں کی باتیں کرنے کے بعد موحد کو اچانک سے زبیر یاد آگیا۔

"تم نے زبیر کو دیکھا ہے؟ ٹینا کا کلاس فیلو؟" دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔جب اس نے زبیر کا ذکر چھیڑا۔

"ہاں کئی بار۔ٹینا کو اس پر شدید کرش ہوا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زبیر کا کیا رسپانس تھا؟" اسے ایک دم دلچسپی محسوس ہوئی۔ٹینا ایسی لڑکی تھی کہ اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"کاش کہ زبیر کا کوئی رسپانس ہوتا۔اس نے تو کبھی غور سے ٹینا کی جانب دیکھا بھی نہیں۔وہ اگر بات بھی کرتی تو زبیر اتنے مختصر جواب دیتا کہ ٹینا کی ہمت ہی ٹوٹ جاتی۔کچھ دن بعد اس نے ہمت ہار دی اور پھر اسے کسی اور پر کرش ہوگیا۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں بات مکمل کی۔موحد نے پاکٹ سے تصویر نکالی۔اور اس کے سامنے لہرائی۔

"یہ کون ہے؟" تانیہ نے اس کے ہاتھ سے تصویر لی۔اور غور سے دیکھی۔

"یہ ہے زبیر کی محبوبہ۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔تانیہ نے ایک دم نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"تم اس انداز میں کیوں ذکر کررہے ہو؟" اسے موحد کا انداز بے حد عجیب لگا تھا۔

"تم اس لڑکی کی شکل دیکھو اور زبیر کو دیکھو۔زبیر اس کے مقابلے میں بے حد ہینڈسم ہے۔پتا نہیں اسے اس لڑکی میں ایسا کیا دکھائی دے گیا۔" موحد نے چہرہ بگاڑ کر کہا۔تانیہ نے غور سے تصویر دیکھی۔دوپٹے کے ہالے میں وہ چہرہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ اس کا یوں تمسخر اڑایا جاتا۔اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے تصویر اسے واپس کی۔

"یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔جواباً موحد نے تفصیل اس کے گوش گزار کردی۔

"یہ مڈل کلاس لوگ۔ان کی سوچ ایک مخصوص زاویے سے باہر نہیں آسکتی۔اگر تم زبیر سے محبت کی وجہ پوچھو گی تو وہ پتا ہے کیا جواب دے گا؟ یہ باکردار ہے، گھریلو ہے، اچھا کھانا بناتی ہے۔اسی لیے زبیر کی

digest library.com

پسند ٹھہری۔ ان دو خصوصیات کے نیچے جو کہ اتنی اہم بھی نہیں، کیا کوئی کسی کم شکل لڑکی کو اپنی پسند بنا سکتا ہے؟ انسان کو زندگی میں ایک بار شادی کرنا ہوتی ہے اور ایک ہی بار محبت۔ تو ان دونوں اہم ترین معاملات کے لیے کیا ایسی لڑکی مناسب ہوگی؟ میں ہوتا تو کبھی بھول کر بھی ایسی لڑکی پر دوسری نگاہ نہ ڈالتا۔ کجا کہ محبت۔ اف ہمت ہے زبیر کی۔" تانیہ ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس سوسائٹی کا وہ حصہ تھی وہاں لوگ ظاہر پر ہی مرتے تھے لیکن موحد بھی ظاہری رنگ و روپ کا اس حد تک شیدائی ہوگا، اور یوں بغیر کسی وجہ کے کسی لڑکی کے بارے میں اس انداز میں گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ تانیہ ایک حساس اور بہت اچھی لڑکی تھی۔ موحد کا یہ لہجہ اسے بے حد دکھی کر گیا۔ وہ ایک دم چپ ہوگئی۔

"کیا ہوا تمہیں؟" موحد کی ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں کرتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔ تانیہ نے اڑتے بال کانوں کے پیچھے اڑسے۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں؟" تانیہ نے آہستگی سے کہا؟ میری مما کہا کرتی تھیں جو ظاہری حسن کا دلدادہ ہوتا ہے ناں وہ کبھی کسی بھی رشتے کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔" اس نے ابھی جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ موحد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"تمہارے ساتھ میں نے کیا بے ایمانی کی؟" موحد بھڑک اٹھا۔

"میں نے تمہارا ذکر کب کیا؟" وہ بدستور پرسکون لہجے میں بول رہی تھی۔

"جب میرا ذکر نہیں تو اس وقت تمہیں تمہاری ممی کی بات کیوں یاد آگئی؟" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"میں بچپن سے ایسا ہوں، مجھے ہر چیز پرفیکٹ چاہیے۔ خوب صورتی میری کمزوری نہیں لیکن میں کسی معمولی عورت کے ساتھ زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اس سارے قصے میں، میں تمہیں کیوں بے ایمان لگا؟" اس کی بات سن کر تانیہ ہنسی۔

"اگر میں صورت میں اس جیسی ہوتی تو کیا میں یہاں اس وقت تمہارے ساتھ ہوتی؟" موحد لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔" اور تم کہتے ہو کہ خوب صورتی تمہاری کمزوری نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔

"میں نے کسی اور کے بارے میں بات کی ہے۔" موحد نے کہا

"تم نے بات نہیں کی تمسخر اڑایا ہے۔ جیسے تمہارے لیے خوب صورتی محبت کے لیے، زندگی گزارنے کے لیے، شادی کے لیے لازمی جز ہے، اسی طرح زبیر نے بھی کوئی پیکر تراش رکھا ہوگا جس میں خوب صورتی سے زیادہ باقی باتیں اہم ہوں گی۔ تمہیں کوئی حق نہیں کہ اس کی پسند کا یوں مذاق اڑاؤ۔ اور اپنی سوچ کو درست مان کر کسی کی بے عزتی کرو۔ محبت پر کس کا زور ہے؟ یہ تو کبھی بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ کسی ایسے آدمی سے بھی جو انسان کہلانے کے لائق نہ ہو، ہم اس کی محبت میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔" موحد اسے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر کرسی سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"تم کون سے تھرڈ کلاس ناول پڑھ رہی ہو آج کل؟ اور یہ پچھلی صدی کی محبت کا فلسفہ تمہیں کیوں یاد آگیا؟" وہ ہنسا۔ تانیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"میری جان محبت بھی سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے۔ یہی سچ ہے۔" اس نے آگے جھک کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"محبت سوچ کر نہیں کی جاتی۔ سوچ کر تو تعلق بنائے جاتے ہیں۔ تمہیں اس فرق کو سمجھنا ہوگا۔ تم اپنی دادی سے سوچ سمجھ کر محبت کرتے ہو؟"

"وہ میری دادی ہیں۔ خونی رشتہ ہے ان سے۔ اور خونی رشتوں میں محبت قدرتی طور پر موجود ہوتی ہے۔" اس نے جواب دے کر پانی کی بوتل منہ سے لگائی۔

"قلبی تعلق بھی یونہی نہیں بن جاتا۔ ہم وجوہات ڈھونڈتے ہیں۔ ہمیں فلاں سے فلاں وجہ سے محبت

...اس پر عاشق ہوئے کیونکہ ہم نے اسے اس
میں دیکھا تھا۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ تم
نے کبھی مہ جبین خانم کی سوانح حیات پڑھی ہے؟ ان کی
... والی داستان پڑھنا، اسے کہتے ہیں محبت۔ ایک
... آدمی جو پیسے کا پجاری ہو، اس عورت نے اس
کے ساتھ نباہ کیا۔ اس لیے نہیں کہ اس کے پاس کوئی
راستہ نہیں تھا اس لیے کہ اس کا دل اس کی محبت
میں مغلوب تھا۔ یہ محبت انہوں نے کسی منصوبے کے
تحت اپنے دل میں پیدا نہیں کی۔ یہ خود ہو گئی۔" موحد
انتہائی دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" وہ ناراض ہو گئی، بڑی آنکھوں میں چمکتی شرارت وہ بھانپ چکی تھی۔

"تم بہت اچھی وکیل بن سکتی ہو اور مجھے لگنے لگا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہو سکتی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ تانیہ نے اس کے بازو پر مکا مارا۔

"انتہائی بدتمیز لڑکے ہو۔" وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

"لیکن تم کچھ بھی کہو زبیر کی محبوبہ سے مجھے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔" وہاں سے اٹھتے ہوئے اس نے پھر اسے چھیڑا۔ تانیہ نے ایک بار پھر اسے مکا مارا۔ موحد کا قہقہہ گونج اٹھا۔

☆☆☆

زبیر بے حد پریشانی کی کیفیت میں یونیورسٹی سے نکلا۔ اسے مریم کا فون آیا تھا۔ ابھی ان کی بحث کو چند دن ہی ہوئے تھے۔ اور زبیر کو یقین تھا کہ زلیخا مریم کی دھمکی کے بعد اطہر کو دوبارہ اس گھر میں داخل کرنے کا نہیں سوچیں گی۔ لیکن مریم کا چیختا چنگھاڑتا فون آیا۔ وہ بری طرح مشتعل تھی۔ لیکن زبیر سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے والا انسان تھا۔ لیکن اس کے زار وقطار رونے پر وہ گھبرا گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو مریم کمرہ بند کیے اندر غائب تھی۔ جبکہ اطہر بے حد شرمندہ سا باہر چارپائی پر بیٹھا تھا۔ جبکہ زلیخا کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھیں۔ زبیر گھر کے اندر داخل ہوا۔ وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

"مریم کی کیا اوقات بھلا؟ یہ گھر میرے شوہر کا ہے، نجانے کب ان کا دماغ خراب ہوا اور کب یہ گھر اس جھگڑالو لڑکی کے نام کر دیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا حق ختم ہو گیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اسے کیا لگتا ہے میرے رشتے داروں کو بے عزت کرے گی تو میں اسے یہاں کسی اور کرائے دار کو رہنے دوں گی؟" زبیر کو دیکھ کر اطہر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ زلیخا کی اس جانب پشت تھی سو وہ اسے نہیں دیکھ پائی تھیں۔ وہ دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم بالکل فکر مت کرو۔ تم یہاں اس وقت تک رہ سکتے ہو جب تک تمہاری ماں واپس نہیں آ جاتی۔"

زبیر حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کھانا بنا رہی تھیں۔ ابا کی وفات کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ انہوں نے گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگایا تھا۔ ورنہ مریم چاہے بخار سے مر رہی ہوتی وہ چارپائی کے پائے سے جڑی رہتیں۔ زبیر ہی جیسے تیسے اس کی مدد کرتا، روٹیاں ہوٹل سے پکوا کر لے آتا۔ آج وہ اطہر کی خاطر باورچی خانے میں تھیں۔ اسے حیران تو ہونا ہی تھا۔ کفگیر کو ایک جانب رکھ کر وہ جیسے ہی پلٹیں سامنے زبیر کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے ٹپٹا گئیں۔

"تم کب آئے؟ جاؤ جا کر کپڑے بدل لو۔ وہ مہارانی اندر کمرہ بند کیے بیٹھی ہے۔ اپنے کپڑے خود نکال لو الماری سے۔" وہ خود پر قابو پا کر بالکل نارمل لہجے میں بولیں۔ زبیر جی جان سے جل گیا۔ اطہر سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ اس کے پاس آیا۔

"جب آپ کو ہر بات کا علم ہے تو امی کے کہے پر آپ یہاں کیوں آئے؟ کیا آپ کے اندر عزت نفس نہیں؟" زبیر نے غصہ دباتے ہوئے لہجے کو حتی الامکان نرم کر کے کہا۔

"میں نے خالہ سے کہا تھا کہ میں اپنا انتظام کر لوں گا لیکن امی اور خالہ نے زبردستی مجھے یہاں بھیجا ہے۔" اطہر کے لہجے میں شرمندگی، ناراضی کے سارے رنگ تھے۔

digest library.com

"آپ کے پاس فیصلہ کرنے کی طاقت اور اس پر قائم رہنے کی صلاحیت ہے؟ یا ان دونوں خواتین کی باتوں پر کان دھر دھر کے شرمندگی اٹھاتے رہیں گے۔" زبیر نے بغیر لحاظ کیے کہا۔ اطہر کا چہرہ سرخ ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا سامان اٹھایا۔ زلیخا اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔ مگر وہ ان سنی کر کے باہر نکل گیا۔

"تم دونوں کے سارے کس بل نکالوں گی میں، دیکھنا تم۔" زبیر کو خوں خوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔

"میں آپ کو آخری دفعہ کہہ رہا ہوں امی۔ مجھے مجبور مت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ میں مریم کو لے کر یہ گھر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ پھر حق جتاتی رہیے گا اور دیواروں سے نفرت کیجیے گا۔" زبیر نے انتہائی برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اور مریم کے کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیا کہا تم نے؟ تم یہ گھر چھوڑ دو گے؟ کہاں جاؤ گے؟ تمہارا باپ تو بڑی جائداد بنا کر گیا ہے تمہارے لیے۔" وہ غصے سے چلانے لگیں۔

"میرے باپ نے ہمیشہ اپنی برداشت سے بڑھ کر محنت کی ہے۔ مجھے زیادہ کا لالچ نہیں۔ جتنا ہے کافی ہے۔ اور اگر کافی نہ بھی ہوا تو اللہ کی دنیا بہت بڑی ہے۔ اور کھلے دل لوگوں کی بھی کمی نہیں۔" عموماً وہ ان کے سامنے اس طرح سے زبان کا استعمال نہیں کرتا تھا لیکن آج حد ہوگئی تھی۔ اس کی شرافت کو بزدلی سمجھا جا رہا تھا۔ اس کی بہن ایک جوان بھائی کے ہوتے ہوئے بھی خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی، اس سے بڑے دکھ کی بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ زلیخا مسلسل چلا رہی تھیں۔ اس نے سنی ان سنی کر کے مریم کو آوازیں دینا شروع کیں۔

"اطہر جا چکا ہے اور اگر دوبارہ اس نے اس گھر میں قدم رکھا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔" زبیر نے غصے سے کہا۔ اس کی آواز سن کر مریم نے دروازہ کھولا تھا اور زلیخا نے خود کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

آج مریم نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ بہت دن بعد وہ گنگنائی تھی۔ شام کو جب بچے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آئے تو وہ ان کے ساتھ باآواز بلند نظمیں گنگنانے لگی۔ اس کی کوئل سی آواز گونجتی تو چاروں جانب ایک عجیب سا ساز بکھر جاتا۔ یوں لگتا جیسے بہت ساری چڑیا ایک ساتھ چہچہائی ہوں۔ وہ آج بے حد خوش تھی، اس کی خوشی اس کی آواز سے چھلک رہی تھی۔ بچے اسے گنگناتا دیکھ کر مزید پرجوش ہو گئے۔ فون بج بج کر بند ہو گیا، آواز شور میں دب گئی۔ زلیخا وہیں فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر دو بار انہوں نے بیل کو نظر انداز کیا۔ پھر غصے سے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" ان کی ہیلو میں بھی ناراضی کی لہریں تھیں۔ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا مگر بچوں اور مریم کی بلند آواز میں وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکیں۔ غصے سے فون پٹخا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

زبیر اب ان کے مقابل آ گیا تھا۔ وہ یہ بات بھول چکی تھیں کہ وہ ان سے ایک بیٹے کے رشتے کی حیثیت سے جتنا چاہے دبتا ہو، ڈرتا ہو، ان کی عزت اور محبت کے آگے مجبور ہو۔ لیکن اس گھر کے سربراہ اور مرد ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی ناجائز باتوں پر ضرور لب کھولے گا۔ اور یہی بات ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر سے مریم کی چہکتی آواز زلیخا کو لگا ان کا سر پھٹ جائے گا۔ وہ اس وقت زبیر کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ اطہر کو یہاں سے چلتا کر کے وہ خود غائب ہو چکا تھا۔ اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ مریم بچوں کو چھٹی دے کر رات کا کھانا بنانے لگی۔ آج ہی اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا بھائی اب اس کی حفاظت کے قابل ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری سمجھ چکا ہے۔ اور یہ بات اسے سرشار کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ رات کے کھانے کے لیے پالک کاٹنے لگی۔ گوشت وہ فریج سے نکال چکی تھی۔ ابھی وہ پالک کاٹ ہی رہی تھی کہ فون بجا۔ فون زبیر کے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا مگر زلیخا نہ آئیں۔ عام طور پر فون

کی پہلی بیل بجتے ہی وہ جھٹ سے فون اٹھا لیتی تھیں۔ مریم ہاتھ صاف کر کے کمرے میں آ گئی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔" کچھ دیر دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔ مریم نے دو بار ہیلو کہا لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور پھر سے باورچی خانے میں آ گئی۔۔ کچھ دیر بعد دوبارہ فون بجا، مگر اس دفعہ اسے زبیر کے کمرے میں جانا نہیں پڑا۔ کیونکہ زبیر خود آ گیا تھا۔ مریم نے کھانا تیار کیا۔ اور اپنے لیے کھانا لے کر کمرے میں آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ آج وہ ماں کو منائے گا۔ اسے اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ مریم کو پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ مگر زلیخا کیسے مان سکتی تھیں بھلا؟

اپنے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھ کر ہی کھانا نوش فرما کر اٹھی، برتن واپس جا کر رکھے اور اپنے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ زبیر ماں کو سمجھانے میں مصروف تھا اور رات کو وہ بھی کبھار ہی چائے پیتا تھا جبکہ زلیخا بھی اس گرم مشروب کی شوقین نہیں تھیں البتہ خود وہ نشے کی حد تک چائے پسند کرتی تھی۔ کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا۔

چائے گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے اسے ماضی یاد آنے لگا۔

سال بھر پہلے کی ہی تو بات تھی۔ جب اس کی زبان تلخی نہیں اگلتی تھی۔ زلیخا کچھ بھی کہیں وہ خاموش ہی رہتی تھی۔ اس نے موجودہ حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ مگر زلیخا اس پر بھی خوش نہیں تھیں۔ اطہر ان ہی کے علاقے میں رہتا تھا۔ ماجدہ زلیخا کی دور کی رشتہ دار تھیں۔ انہی کے توسط سے ہی تو ایاز کی شادی ان سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد زلیخا نے ان کے ساتھ مستقل اور گہرا رابطہ رکھا۔ ماجدہ کا اکلوتا سپوت، اطہر جو دکھنے میں ٹھیک ٹھاک تھا۔ عادات بھی اچھی تھیں۔ وہ بچپن سے اسے اپنے گھر آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔ کبھی کم عمری میں بھی اطہر نے کوئی ایسی چھچھوری حرکت نہیں کی۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے، وہ مریم کا سینئر تھا۔ خاموش طبع اور پڑھاکو۔ مگر پھر اچانک ہی اس کا رویہ تبدیل ہو گیا۔ ایاز کے انتقال کے بعد اس کا آنا جانا بڑھ گیا۔ وہ خود بخود محتاط ہو گئی۔ پردہ وہ صرف باہر کے لوگوں سے کرتی تھی۔ اب رشتہ داروں سے کرنے کا سوچا تو زلیخا نے خوب واویلا مچایا۔ وہ چپ ہو گئی لیکن اب گھر میں بھی ہر وقت بڑی سی چادر اوڑھ کر رکھتی۔ زبیر کا اسکالرشپ پر یونیورسٹی میں داخلہ ہو چکا تھا۔ وہ صبح جاتا شام کو آتا۔ اسے گھر کے معاملات کی آگاہی نہیں تھی۔

زلیخا ایاز کو باہر صحن میں رکھی چارپائی پر گھنٹوں بٹھا کر رکھتیں۔ مریم کے لیے گھریلو امور نمٹانا دوبھر ہو جاتا۔ وہ جہاں جاتی اطہر کی نگاہیں اس کا پیچھا کرتیں۔ گھر اتنا بڑا تو تھا نہیں اور بنا ہوا بھی اس طرز کا تھا کہ صحن میں بیٹھا انسان پورے گھر کو نگاہوں میں رکھ سکے۔ وہ سخت پریشان ہوئی۔ اس کی جان عذاب میں تب آئی جب ماجدہ خالہ کو اپنی بیٹی کے پریگننٹ ہونے کی خبر ملی۔ اس کے آخری مہینوں میں وہ لاہور پہنچ گئیں۔ اور اپنا بیٹا زلیخا کے حوالے کر گئیں۔ اتفاق سے چند دن پہلے ہی ان کے کرائے دار مکان خالی کر کے گئے تھے۔ وہ اوپری منزل پر کرائے پر رہنے لگا۔ کھانا پینا، کپڑے دھونے، استری کرنے اور اس کے کمرے کی صفائی کا ہر کام مریم کے ذمہ آ گیا۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کام کرتی۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی اپنے پورشن میں آ جاتی۔ شام کو بچے پڑھنے کے لیے آتے، اور چھ بجتے ہی اطہر واپس آ جاتا۔ وہ اور زلیخا چارپائی پر براجمان ہو جاتے۔ بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کمرے میں پورے نہیں آتے تھے۔ اسے مجبوراً باہر ہی بیٹھنا پڑتا۔ اطہر کی نظریں اسے انتہائی کوفت زدہ کرتیں۔

اس روز اتوار تھا۔ زبیر بھی گھر پر تھا۔ صبح فجر ہی جاگ کر اس نے مشین لگائی تھی تاکہ اطہر کے جاگنے سے پہلے وہ اس کام سے فارغ ہو جائے۔ زبیر کھٹ پٹ کی آواز سن کر جاگ گیا۔ اور کمرے سے باہر آیا۔

"تم اتنی صبح کیا کر رہی ہو؟ سورج کی روشنی تو

digest library.com

پھیلنے دو۔" وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ نیچے فرش پر کپڑوں کا ڈھیر تھا جو اس نے ابھی مشین سے باہر نکالے تھے۔ اب وہ پانی بھر رہی تھی۔

"نماز کے بعد نیند ہی نہیں آئی اس لیے سوچا مشین لگا لوں۔ ابھی دھوؤں یا بعد میں کام تو مجھے ہی کرنا ہے نا۔" اس نے سرف کا پیکٹ کھول کر زبیر کو جواب دیا۔

"میں تمہاری مدد کر دیتا ہوں۔" اس نے کپڑے الگ کرنا شروع کیے۔ مریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔

ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں نے تمہیں بہت بار دیکھا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے کپڑے الگ کرتی ہو۔ رنگ دار الگ رکھتی ہو، دوپٹے الگ۔"

"ہاں ہاں تمہیں بہت معلومات ہیں۔ بیوی کی مدد کرنا۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ اور جاؤ اندر۔" اس نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے کپڑے لیے۔

"تم اطہر بھائی کی موجودگی سے پریشان ہو؟" مریم کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔

"نہیں۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔" وہ پھر سے کام کرنے لگی۔

"میں اب اتنا بھی ناسمجھ نہیں ہوں۔"

"جب علم ہے تو پوچھ کیوں رہے ہو۔ اطہر کو تم اس گھر سے نہیں بھیج سکتے۔ اور ویسے بھی انہوں نے تو مجھے کچھ نہیں کہا۔ صبح جاتے ہیں شام کو آتے ہیں۔ باقی وقت امی کے ساتھ باتوں میں لگے رہتے ہیں۔" اس نے بات ختم کی تھی یا اس کی ابتدا۔ وہ خود نہیں سمجھ پائی۔ زبیر خاموشی سے چلا گیا۔ البتہ اطہر کے جاگنے اور اس کے نیچے آنے کے بعد سے زبیر اسے اپنے کمرے میں ہی لے کر بیٹھا رہا۔ دوپہر کے بعد اچانک ہی موسم کے تیور بدلے اور تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ آسمان سیاہ بادلوں سے اٹ گیا۔ وہ دھلے ہوئے کپڑے رسیوں سے اتارنے کو اوپر بھاگی۔ موسم بدلتے ہی بجلی غائب ہو گئی۔ دوپہر کے دو بجے کا عمل تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے رات ہونے لگی ہو۔ تیز ہوا دھول مٹی سے اٹ کر ہر شے کو گرد آلود کر رہی تھی۔

وہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے سیڑھیاں اترنے لگی۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ سیڑھیوں پر سہج سہج کر قدم رکھتے ہوئے وہ نیچے آنے لگی۔ ابھی وہ اپنے پورشن تک نہیں پہنچی تھی کہ اطہر سیڑھیاں چڑھتا اوپر آنے لگا۔ اندھیرا ہونے کے باعث دونوں کا تصادم ہوا۔ وہ گرتی لیکن اطہر نے اسے تھام لیا۔ مریم نے دعا کی تھی کہ کاش وہ اسے گرنے دیتا، اس کے اتنے قریب نہ آتا۔ جبکہ اطہر قربت کے اس مختصر ترین لمحے کے نشے میں دھت ہو گیا۔ مریم کا خمار پہلے ہی اس پر حاوی تھا۔ اطہر کے نتھنوں سے مریم کے پاکیزہ وجود کی خوشبو ٹکرائی تو اس سے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ کمزور لمحے اس پر بری طرح حاوی ہوتے مگر اس ٹکراؤ کی وجہ سے مریم کے منہ سے جو بے اختیار چیخ نکلی تھی اس پر زبیر بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اطہر قدموں کی آہٹ پا کر ایک طرف ہو گیا۔ اور وہ تیزی سے نیچے آگئی۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟ میں سمجھا تم اپنے کمرے میں ہو۔ اگر اوپر جا رہی تھیں تو مجھے بتا کر جاتیں میں ٹارچ لے کر ساتھ جاتا۔" زبیر کو اس کی کم عقلی پر شدید غصہ آیا۔

"میں سمجھی تم گھر میں نہیں ہو۔ اور مجھے چوٹ نہیں آئی بے فکر رہو۔" اس نے اپنے کانپتے لہجے پر لمحوں میں قابو پایا تھا۔ اور کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ صبح سویرے کپڑے دھونے کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ اب سارے کپڑے سوکھ گئے تھے۔ مریم نے ڈھیر صوفے پر پھینکا، کمرے کی کھڑکی بند کی، اور پھر بستر پر ڈھے گئی۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں ایسے تصادم دھڑکنیں بڑھا کر دل کو نئی لے پر دھڑکنا سکھاتے ہیں۔ اس کا دل دھڑکا نہیں تھا خوف سے کانپ گیا تھا۔ اس لمحے بھر کی قربت میں اطہر کی گرفت کا مضبوط ہونا، وہ بے چینی سے اٹھ گئی۔ اس کی سرمئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وجہ اسے خود معلوم نہیں تھی۔ بس ایک عجیب سا خوف، عجیب سی بے چینی جیسے یہ واقعہ نہیں کوئی حادثہ ہو۔ یہ بے چینی

...دونوں ہی زمیں گھنٹوں پر مشتمل تھی۔ وہ تو عام حالات میں بھی اس سے نگاہ نہیں ملاتی تھی اور اب۔۔اب وہ کیا کرے گی؟ کیسے اس کے سامنے جائے گی۔

ہوا کی تیزی میں شدت آگئی۔ بارش کے موٹے قطرے تابڑ توڑ برسنے لگے۔ مریم تھک کر بستر پر لیٹ گئی۔ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ جا کر چائے یا پکوڑے بنائے۔ کبھی کبھی کی اس بارش میں دونوں بہن بھائی کھاپی کر اور کبھی بارش میں بھیگ کر لطف اندوز ہوتے مگر آج وہ کمرے سے نہیں نکلی۔

کچھ دیر بعد زبیر ہی چائے لے آیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے نا؟ آج زیادہ تھک گئی ہو؟'' وہ لاڈ سے پوچھ رہا تھا۔ مریم مسکرادی۔

''تھک گئی لیکن تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' چائے کا گرم کپ اس نے تھاما۔ زبیر اس سے یہاں وہاں کی باتیں کرنے لگا۔

''آج میں نے اطہر بھائی سے پوچھا تھا کہہ رہے تھے کہ دس دن میں ان کی والدہ واپس آجائیں گی۔'' اس بات سے مریم کے چہرے پر اطمینان کی ایک عجیب لہر اتری۔ جسے زبیر نے شدت سے محسوس کیا۔ مگر وہ تبصرہ کیے بغیر چائے پینے لگی۔ زبیر کچھ دیر مزید بیٹھ کر باہر چلا گیا۔

''دوسری جانب اس اچانک ٹکراؤ نے اطہر کے دل کی حالت خراب کردی تھی۔ اسے مریم کا لمس شدت سے بے چین کر رہا تھا۔ شام کو دوبار اس نے نیچے کا چکر لگایا مگر وہ اسے دکھائی نہیں دی۔ اس کی پوری رات عذاب میں گزری۔ مریم اسے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھی۔ خاموش طبع، سلجھی ہوئی، اپنے آپ میں مگن۔ اس کے لمبے سیاہ بال جو چوٹی میں قید ہوتے تھے جب بھی اس کی نگاہ پڑتی وہ اسے دیکھتا رہ جاتا۔ لیکن یہ پرانی بات تھی، تب وہ صرف اسے ہلکا پھلکا دیکھ لیتا تھا۔ جیسے کوئی چیز نگاہ کو بھائے اور آپ اسے دیکھ لیں۔

ایاز کے انتقال کے بعد وہ باقاعدگی سے ان کے گھر جانے لگا۔ روئی روئی سی بے حال مریم اس کا دل دھڑکا گئی۔ اس کے بعد وہ اپنی نگاہوں پر قابو نہیں رکھ پاتا تھا۔ اس کی دلچسپی اس کی اماں اور زلیخا نے بھی محسوس کرلی تھی۔ ماجدہ نے اسے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ تو اول روز سے ہی مریم کو اس کی دلہن بنانا چاہتی ہیں مگر نہ تو زبیر مانے گا اور نہ ہی مریم کیونکہ ان دونوں کو یہ لگے گا کہ ہم صرف گھر کے حصول کے لیے اس کی شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔

''لیکن یہ بات تو سچ ہے۔ زلیخا خالہ اس کی شادی مجھ سے اسی لیے کروانا چاہتی ہیں کہ میں بعد میں اسے فورس کرکے گھر ان کے نام کروادوں۔''

اطہر اتنا بھی بھولا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔

''تو اس میں غلط کیا ہے؟'' ماجدہ نے منہ بنا کر کہا۔

''اماں۔ مجھے غلط صحیح کا نہیں پتا۔ مجھے بس مریم سے شادی کرنی ہے مگر اس کی رضامندی جان کر۔''

وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایسی نیک سیرت بہو انہیں بھی درکار تھی۔ محنتی تھی ہی تھی۔ انہوں نے اس کے منہ سے اف تک نہیں سنی تھی۔ وہ بیٹے کی رضامندی سے پہلے بھی اس پر جی جان سے فدا تھیں۔ انہوں نے اطہر کو اسی مقصد کے لیے زلیخا کے گھر رہنے کے لیے بھیجا تھا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے نہ نہ کرتے ہوئے بھی کئی بار آمنا سامنا ہوگا۔ وہ اسے اپنے دل کی بات بھی بتادے گا۔ اور مریم کی ہاں ناں کا بھی علم ہو جائے گا۔

مگر زلیخا کی اندر سے یہی خواہش تھی کہ اطہر اور اس کی شادی نہ ہو۔ ماجدہ کو ٹالنا آسان نہیں تھا۔ مریم کی عادت سے وہ خوب واقف تھیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر اطہر کو ڈھیل دی۔ اور بنا احتیاط کیے اسے منہ کے سامنے لے کر بیٹھ جاتیں۔ ان کی سوچ کے مطابق ہی سب کام ہو رہا تھا۔ اطہر کی بے چین نظریں مریم کو ڈھونڈتیں اور وہ ان سے بےزار ہوتی۔ اطہر مرد تھا بھلا کب تک خود پر قابو رکھے گا، کسی نہ کسی دن موقع دیکھ کر وہ مریم سے کچھ نہ کچھ کہے گا۔ انہیں اسی دن کا انتظار تھا۔ جب مریم اس کی کسی جسارت پر ہنگامہ کرتی اور دونوں کی شادی خواب ہو جاتی۔ ان کے اس سیاسی دماغ تک ماجدہ بھی نہیں پہنچی تھیں۔

digest library.com

سیلن زلیخا نے یہ سب ہرگز نہیں سوچا تھا جو وقوع پذیر ہوا۔

اطہر کو ان کی روٹین کا علم تھا۔ دو پہر کو وہ گھر سے نکلتیں تو شام ساڑھے پانچ کے بعد ہی واپس آیا کرتی تھیں۔ اس دوران مریم اکیلی ہوتی تھی۔ عموماً وہ زلیخا کی آمد کے بعد ہی آتا تھا۔ ابھی تک ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ وہ گھر پر اکیلی ہو اور اطہر آ جائے۔ مگر اس روز یہ بھی ہو گیا۔ وہ نہا کر آئی تو اسے چائے کی طلب محسوس ہوئی۔ وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنانے آئی کہ اس نے زلیخا کو چادر اوڑھے باہر نکلتے دیکھا۔ مریم نے یہی سوچا تھا کہ وہ چائے کپ میں ڈال کر دروازہ بند کر آئے گی مگر محض تین منٹ کے بعد ہی کوئی گھر میں داخل ہوا۔ اسے کسی کی آمد محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ عادت کے مطابق گنگنا رہی تھی۔ اور چائے کو کپ میں انڈیل رہی تھی۔ ہڑبڑائی وہ تب جب اطہر کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

"ایک کپ مجھے بھی دے دیجیے گا۔" چائے چھلکتے چھلکتے رہ گئی تھی۔ مریم کا سانس رک گیا تھا۔ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اتنی احمق ہرگز نہیں تھی کہ کسی غیر مرد پر بھروسا کرتی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ کچن سے نکلی۔ دوپٹے کو اپنے گرد مزید پھیلا لیا۔

"اماں گھر پر نہیں ہیں۔ اور جب تک وہ واپس نہیں آتیں آپ یہاں نہیں رک سکتے۔" اس کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ اطہر مسکرایا۔

"میں نے آپ سے صرف چائے مانگی ہے۔ آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔ میں اوپر چلا جاتا ہوں۔" اس نے مریم پر نگاہیں فکس کرتے ہوئے کہا۔

"چائے سامنے رکھی ہے۔ لے جائیے۔" یہ کہہ کر وہ رکے بغیر کمرے میں آ گئی اور دروازے کو کنڈی لگا لی۔

"جتنی بھی احتیاط برتو آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے۔" اطہر نے سرشاری سے سوچا اور چائے کا کپ لے کر اوپر چلا گیا۔ اس کے جاتے قدموں کی آواز مریم نے سنی۔ جب آواز آنا بند ہو گئی تو وہ تیزی سے اوپر گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اب اطہر نیچے نہیں آ سکتا تھا۔ غصے سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے زبیر کا نمبر ملایا اور اسے آنے کو کہا۔ وہ راستے میں ہی تھا بس پہنچنے والا تھا۔ اس کے آنے کے بعد مریم نے سکون کا سانس لیا۔ زلیخا کے گھر آنے کے بعد پہلی بار مریم نے ان سے بحث کی۔ لمحے بھر کے لیے وہ بھی چپ ہو گئی تھیں۔ زبیر بھی ان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ آج کے بعد مریم کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔" مگر وہ کب کسی کی سنتی تھیں۔ جب جی کیا اٹھ کر چلی گئیں وہ تو چاہتی تھیں کہ اطہر تنہائی دیکھ کر اس سے اظہار کرے اور مریم ہنگامہ کھڑا کر دے، اور ایسا ہی ہوا۔

ماجدہ کی آمد سے ایک روز پہلے وہ بے وقت گھر آیا جب گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس بار اس نے سیدھا راستہ اپنانے کے بجائے باہر بنی ہوئی سیڑھیوں سے اوپر کی جانب قدم بڑھائے۔ جو کہ کرائے داروں کے لیے بنایا گیا تھا۔ اطہر گھر میں پھیلی خاموشی سے سمجھ گیا تھا کہ مریم گھر میں اکیلی ہے۔ کپڑے بدل کر اس نے دوسرا دروازہ دیکھا جو اندرونی سیڑھیوں پر موجود تھا۔ وہ بھی اتفاق سے کھلا ہوا تھا۔

آج تو میں مریم سے اظہار کر کے رہوں گا۔ وہ جتنی بھی ناراضی کا اظہار کرے میں اسے منا لوں گا۔ اس نے دل میں سوچا اور دبے پاؤں نیچے آ گیا۔ مریم اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔ اسے یاد آیا کل ہی زبیر مریم کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔ مریم کو بخار تھا۔ یقیناً وہ اپنے کمرے میں ہو گی۔ اس نے کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔ مریم بستر پر دراز تھی۔ شیالے رنگ میں تکلیف کی پیلاہٹ گھلی تھی۔ پپوٹے ایک دوسرے میں پیوست۔ وہ شاید نیند میں تھی۔ دوپٹا ایک طرف پڑا تھا۔ اور خود وہ کروٹ کے بل لیٹی دوا وس کے زیر اثر سو رہی تھی۔

سیاہ بالوں کی چوٹی لمبی گردن سے ہوتی ہوئی سینے سے ڈھلک کر نیچے جھول رہی تھی۔ اطہر سانس لینا بھول گیا۔ چادر کے پیچھے کیسا حسن چھپا تھا۔ لمحوں میں اس کا حلق خشک ہوا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ یہاں

کیوں آیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ اس کی من پسند عورت خود سے بھی بے خبر حالت میں دراز ہے۔ وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس کے قریب آیا۔ اطہر نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب کر کے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھر کر اس کی خوشبو اپنے اندر اتاری۔ جذبات کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ اس کی سانسوں کی تپش سے مریم کی آنکھ کھلی، وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔

''مریم ڈرو مت میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔'' اطہر نے اسے خوف زدہ ہوتا دیکھ کر کہا۔

''نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ تم اندر کیسے آئے؟'' وہ چیخی۔ دوپٹا کھینچ کر اپنے گرد لپیٹا۔ اور دور ہوگئی۔

''میں چلا جاؤں گا۔ میں صرف تمہاری مرضی معلوم کرنے آیا ہوں۔ تم ڈر کیوں رہی ہو؟'' اطہر کی خماری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اسے لگا وہ ہوش میں نہیں ہے۔

''میں آخری بار کہہ رہی ہوں میرے کمرے سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں شور مچاؤں گی۔'' اطہر وہیں بیٹھ گیا۔

''مچاؤ شور۔'' اکیلی عورت کے سامنے کوئی بھی مرد کس طرح شیر ہو جاتا ہے اسے آج سمجھ میں آیا۔ مریم انتہائی تیزی سے بستر سے اتری اور باہر کی جانب بھاگی مگر اطہر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''مریم پلیز میری بات سن کر جاؤ۔''

''میں نے کہا چھوڑو مجھے۔'' اس نے اپنی ساری طاقت لگا دی مگر اطہر سے بازو نہ چھڑا پائی بلکہ اب وہ دوسرا بازو بھی قابو کرنے کی کوشش میں تھا جب اس نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ اور کمرے سے باہر بھاگی۔ اس کا رخ زبیر کے کمرے کی طرف تھا۔ اندر گھس کر کنڈی لگانے میں وہ کامیاب ہوگئی۔

باہر سے اطہر دروازہ پیٹ رہا تھا۔

''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تم پلیز میری بات سن لو۔ محبت کرتا ہوں تم سے، اظہار کرنے آیا تھا۔ مریم پلیز میری بات سنو۔'' وہ آوازیں دینے لگا۔ مریم روتی ہوئی کانپتے ہاتھوں سے زبیر کا نمبر ملا رہی تھی دوسری بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کر لی۔

''زب۔ زبیر پلیز جلدی آؤ۔ اطہر۔'' اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اتنا کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگی۔

''کیا ہوا؟ مریم بولو۔ مریم۔ میں آ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے؟'' مریم نے روتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور فرش پر بیٹھ گئی۔ اطہر دروازہ توڑ کر اندر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ بات وہ جانتی تھی۔ مگر دل میں پیدا ہونے والا خوف، اس کا وہ کیا کرتی۔ سر سجدے میں گرا کر وہ زار و زار رونے لگی۔ دروازہ بجنا بند ہو گیا تھا۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہیں۔ زبیر کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی وہ اٹھی۔

''مریم۔ دروازہ کھولو۔'' زبیر کی آواز سن کر اس نے کنڈی کھول دی۔ اپنے بھائی کو سامنے پا کر وہ اس کے گلے لگ کر اس طرح روئی کہ ایاز کی میت کے وقت بھی نہ روئی ہوگی۔ زبیر نے اسے کھل کر رونے دیا۔

''اب بتاؤ کیا ہوا؟'' زبیر کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ مریم ہچکیاں لیتے ہوئے بتانے لگیں۔ زبیر انتہائی تیزی سے اوپر گیا۔ مریم نے اسے بالکل نہیں روکا۔ زبیر نے جاتے ساتھ ہی اطہر کے منہ پر گھونسا مارا تھا۔ جو اس قدر بے غیرتی کے باوجود وہیں بیٹھا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ مریم نے اسے سب بتا دیا ہے۔ نجانے کیوں اسے یہ گمان تھا کہ ایسی بات وہ اپنے بھائی کو نہیں بتائے گی۔ پہلے تو اطہر نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن پھر دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کے جھگڑے اور شور کی آواز محلے میں گونجنے لگی۔ زلیخا بھاگی بھاگی آئیں۔ مریم کو روتا دیکھ کر وہ سب سمجھ گئیں اور پاگلوں کی طرح اوپر بھاگیں۔ جہاں دونوں لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ بے حد مشکل سے وہ انہیں الگ کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

''ساری غلطی آپ کی ہے۔ آپ مریم کو اکیلا کیوں چھوڑ کر گئی تھیں؟'' وہ غصے سے چلایا۔ زلیخا لمحے

digest library.com

کیوں آیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ اس کی من پسند عورت خود سے بھی بے خبر حالت میں دراز ہے۔ وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس کے قریب آیا۔ اطہر نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب کر کے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھر کر اس کی خوشبو اپنے اندر اتاری۔ جذبات کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ اس کی سانسوں کی تپش سے مریم کی آنکھ کھلی، وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔

''مریم ڈرو مت میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔'' اطہر نے اسے خوف زدہ ہوتا دیکھ کر کہا۔

''نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ تم اندر کیسے آئے؟'' وہ چیخی۔ دوپٹا کھینچ کر اپنے گرد لپیٹا۔ اور دور ہوگئی۔

''میں چلا جاؤں گا۔ میں صرف تمہاری مرضی معلوم کرنے آیا ہوں۔ تم ڈر کیوں رہی ہو؟'' اطہر کی خماری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اسے لگا وہ ہوش میں نہیں ہے۔

''میں آخری بار کہہ رہی ہوں میرے کمرے سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں شور مچاؤں گی۔'' اطہر وہیں بیٹھ گیا۔

''مچاؤ شور۔'' اکیلی عورت کے سامنے کوئی بھی مرد کس طرح شیر ہو جاتا ہے اسے آج سمجھ میں آیا۔ مریم انتہائی تیزی سے بستر سے اتری اور باہر کی جانب بھاگی مگر اطہر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''مریم پلیز میری بات سن کر جاؤ۔''

''میں نے کہا چھوڑو مجھے۔'' اس نے اپنی ساری طاقت لگادی مگر اطہر سے بازو نہ چھڑا پائی بلکہ اب وہ دوسرا بازو بھی قابو کرنے کی کوشش میں تھا جب اس نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ اور کمرے سے باہر بھاگی۔ اس کا رخ زبیر کے کمرے کی طرف تھا۔ اندر گھس کر کنڈی لگانے میں وہ کامیاب ہوگئی۔

باہر سے اطہر دروازہ پیٹ رہا تھا۔

''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تم پلیز میری بات سن لو۔ محبت کرتا ہوں تم سے، اظہار کرنے آیا تھا۔ مریم پلیز میری بات سنو۔'' وہ آوازیں دینے لگا۔ مریم روتی ہوئی کانپتے ہاتھوں سے زبیر کا نمبر ملا رہی تھی دوسری بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کر لی۔

''زب۔ زبیر پلیز جلدی آؤ۔ اطہر۔'' اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اتنا کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگی۔

''کیا ہوا؟ مریم بولو۔۔ مریم۔ میں آ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے؟'' مریم نے روتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور فرش پر بیٹھ گئی۔ اطہر دروازہ توڑ کر اندر نہیں آسکتا تھا۔ یہ بات وہ جانتی تھی۔ مگر دل میں پیدا ہونے والا خوف، اس کا وہ کیا کرتی۔ سر سجدے میں گرا کر وہ زار و زار رونے لگی۔ دروازہ بجنا بند ہوگیا تھا۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہیں۔ زبیر کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی وہ اٹھی۔

''مریم۔ دروازہ کھولو۔'' زبیر کی آواز سن کر اس نے کنڈی کھول دی۔ اپنے بھائی کو سامنے پا کر وہ اس کے گلے لگ کر اس طرح روئی کہ ایاز کی میت کے وقت بھی نہ روئی ہوگی۔ زبیر نے اسے کھل کر رونے دیا۔

''اب بتاؤ کیا ہوا؟'' زبیر کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ مریم ہچکیاں لیتے ہوئے بتانے لگیں۔ زبیر انتہائی تیزی سے اوپر گیا۔ مریم نے اسے بالکل نہیں روکا۔ زبیر نے جاتے ساتھ ہی اطہر کے منہ پر گھونسا مارا تھا۔ جو اس قدر بے غیرتی کے باوجود وہیں بیٹھا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ مریم نے اسے سب بتا دیا ہے۔ نجانے کیوں اسے یہ گمان تھا کہ ایسی بات وہ اپنے بھائی کو نہیں بتائے گی۔ پہلے تو اطہر نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن پھر دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کے جھگڑے اور شور کی آواز محلے میں گونجنے لگی جو زلیخا بھاگی بھاگی آئیں۔ مریم کو روتا دیکھ کر وہ سب سمجھ گئیں اور پاگلوں کی طرح اوپر بھاگیں۔ جہاں دونوں لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ بے حد مشکل سے وہ انہیں الگ کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

''ساری غلطی آپ کی ہے۔ آپ مریم کو اکیلا کیوں چھوڑ کر گئی تھیں؟'' وہ غصے سے چلایا۔ زلیخا لمبے

پھر کو گڑ بڑا گئیں۔

''مریم کوئی بچی نہیں ہے جس کی چوکیداری پر مجھے معمور کررہے ہو۔'' انہوں نے ڈھٹائی سے کہا۔

''مریم بچی نہیں ہے اسی لیے آپ سے کہا تھا۔ جب غیر مردوں کو گھر کا راستہ دکھائیں گی تب یہی سب ہوگا۔'' زبیر کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کرڈالے۔

''تمہاری بہن بھی کوئی۔۔۔'' زلیخا کی بات ادھوری رہ گئی۔

''بس امی۔ مریم کے خلاف ایک لفظ نہیں۔ ورنہ۔۔۔'' وہ اطہر کی طرف پلٹا۔ ''دس منٹ کے اندر اندر اس گھر سے دفعان ہوجاؤ۔ دوبارہ یہاں قدم بھی رکھا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا''۔ اس نے جاتے جاتے اطہر کو زور دار دھکا مارا۔ اور غصے سے نیچے اتر آیا۔ مریم سے نگاہ ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ سر جھکائے اندر چلا گیا۔ زلیخا نے اطہر سے کیا کہا کیا نہیں کہا، اسے کچھ علم نہیں تھا۔ وہ دس منٹ میں واپس جاچکا تھا۔ البتہ زلیخا نے مریم کے کمرے میں آکر اسے بے نقط سنانا شروع کیں۔ ہمیشہ کی طرح اس نے منہ بند کرکے نہیں رکھا تھا بلکہ ہر بات کا دو بدو جواب دیا تھا۔ اور کیوں نہ دیتی جواب۔ اب بات گھریلو معاملات یا جھگڑوں کی نہیں تھی، بات کردار پر آچکی تھی۔ کردار سے اہم بھی بھلا کچھ ہوتا ہے؟

☆☆☆

وہ اپنی دادی کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ سامنے رکھی ٹیبل پر چائے اور دیگر لوازمات موجود تھے۔ دادی اس کے عین سامنے بیٹھی تھیں۔ موحد کی ناراض نگاہیں انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''آپ ایک تو بنا بتائے وہاں سے چلی آئیں، اور اتنے دن سے میں یہاں چکر پر چکر لگا رہا ہوں اور گھر پر تالا لگا ہے۔ عفان نے نمبر بھی بند کرکے رکھا ہوا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟'' وہ بے حد غصے میں تھا اور ناراض بھی۔

''میں فاطمہ کی طرف چلی گئی تھی۔ آج ہی واپس آئی ہوں۔ اور عفان کا موبائل چوری ہوگیا تھا اس لیے اس کا نمبر بند ہے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔ موحد ان کے قریب ہوا۔ اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''دادی مجھے نہیں معلوم کہ گھر میں کیا ہوا ہے، لیکن جو بھی ہوا میری اس میں کوئی غلطی ہے تو بتائیں میں ابھی آپ سے معافی مانگ لیتا ہوں۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''تمہاری کوئی بھی غلطی نہیں ہے۔ ساری عمر تمہاری ماں کی باتیں سنتی رہی ہوں میں۔ مجھے آج تک یہی لگتا تھا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہوکر یہ سب کررہی ہے۔ شاید اس کی پرورش ہی اس نہج پر ہوئی ہو لیکن میں غلط تھی۔ اس روز مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اپنی فطرت سے بھی مجبور نہیں۔ میرے لیے جتنی سیاہی اس کے دل میں ہے شاید ہی کسی اور کے لیے ہو۔ اب وہ میری محبت پر بھی شک کرنے لگی ہے۔'' ان کی آواز میں گہرا دکھ تھا۔

''کوئی انسان اتنا بدگمان کیسے ہوسکتا ہے؟ میری طرف دیکھو۔ کیا تمہیں میری ان بوڑھی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کی جگہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے؟ کوئی مکر، فریب؟'' موحد ان کی بات سن کر تڑپ گیا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ان کا پرنور چہرہ، محبت سے لبریز آنکھیں، کوئی اجنبی بھی دیکھ لیتا تو لمحوں میں ان کی محبت محسوس کرلیتا وہ تو موحد تھا ان کی جان۔

''کیسی باتیں کررہی ہیں آپ؟ کس نے کہہ دیا آپ کو؟ کون شک کررہا ہے آپ کی محبت پر؟'' وہ بلبلا اٹھا۔

''تمہاری ماں۔ میں نے اسے یہ بتایا تھا کہ میں نے اپنی ساری جائیداد عفان کے نام کردی ہے۔'' اس بات پر وہ بھڑک گئی۔ اور اس نے کہا کہ میں آج تک صرف دکھاوے کے لیے تم سے محبت جتاتی رہی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اس کی اولاد کو کبھی اپنا سمجھا ہی نہیں۔ سب کچھ عفان کے لیے کیا ہے ہمیشہ۔ تم بتاؤ۔ تم بھی یہی سب سمجھتے ہو؟''

digest library.com

دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا۔ عنائیہ بیڈ پر بیٹھی تھی اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ بھائی کو آتا دیکھ کر مسکرائی۔

"آئیں بھائی۔ کہاں تھے آپ؟ صبح سے نظر نہیں آئے؟" موحد اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ایگزامز سر پر ہیں بس اسی لیے مصروف ہوں۔ تم بتاؤ کیا کر رہی تھیں؟" اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"کچھ بھی نہیں بس بور ہو رہی تھی۔ سوچا کوئی مووی دیکھ لوں۔ اسی لیے لسٹ چیک کر رہی تھی۔" عنائیہ نے اپنی مصروفیت بیان کی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔"

"جی پوچھیں۔" عنائیہ نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

"اس روز جب دادی ماں یہاں آئی تھیں۔ تو اگلے دن دوپہر کو کیا ہوا تھا؟ ممی نے ان سے ایسا کیا کہا کہ وہ مجھ سے ملے بغیر ہی چلی گئیں۔" موحد نے پوچھا۔ عنائیہ نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ پر رکھا۔

"آپ دادی سے اب تک نہیں ملے؟ انہوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟" وہ حیران ہوئی۔

"میں آج ان سے ملا تھا لیکن انہوں نے ساری بات نہیں بتائی۔ بہت اداس اور پریشان لگ رہی تھیں۔ آج سے پہلے میں نے کبھی انہیں اتنا دکھی نہیں دیکھا۔" موحد کی نگاہوں میں ان کا چہرہ گھوم گیا۔

"انہیں دکھی ہی ہونا ہے۔ پہلے اپنی اولاد کو پالا، تربیت کی، پھر اولاد کی اولاد کی بھی ذمہ داری اٹھائی۔ اب جب ان کی ضرورت ختم ہوگئی ہے تو سب نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔" وہ غصے سے بولی۔

"تم پہیلیاں مت بجھواؤ۔ بتاؤ بھی کیا ہوا ہے؟" وہ جھنجلا گیا۔

"دادی اور ممی کا جھگڑا ہوا، وہی جائداد کا قصہ کہ آپ کب وصیت تیار کر رہی ہیں۔ اتنی عمر ہوگئی ہے آپ کی۔ فلانا فلانا۔ میں نے انہیں ٹوکا تو پاپا نے کہا کہ تنزیلہ درست کہہ رہی ہے۔ انسان کو حقیقت پسند ہو کر سوچنا چاہیے۔ اماں کو اب وصیت بنوا لینی چاہیے۔ دادی تو اسی وقت پیلی پڑ گئی تھیں۔ مگر جب

... سرخ ہو گیا۔

"نہیں میں ایسا کچھ نہیں سمجھتا۔" موحد نے ان جھریوں سے بھرے سفید ہاتھوں پر بوسہ دیا۔

"جب وہ مجھے گھر میں اکیلا چھوڑ کر رات گئے اپنی سوشل ایکٹیویٹیز میں مصروف رہتی تھیں تب آپ ہی تھیں جنہوں نے مجھے اور میرے بہن بھائی کو سنبھالا۔ محبت دی۔ اور آج تک محبت دے رہی ہیں۔ خیال رکھتی چلی آرہی ہیں۔ مجھے جائداد میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے آپ کی محبت، آپ کی موجودگی ضروری ہے۔ پلیز مجھے معاف کردیں اور گھر چلیں۔ میں آج ہی ممی سے بات کروں گا"۔ اس نے نگاہیں دادی کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تم کوئی فساد ہنگامہ کھڑا نہیں کرو گے۔ تم میرے لیے ماں سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔ اور میں اس گھر میں اب کبھی نہیں آؤں گی۔ تم یہاں آ جایا کرنا۔ روز آنا۔ لیکن مجھے وہاں مت بلانا"۔ انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں آئیں گی آپ وہاں؟ ممی نے اور کیا کہا آپ سے؟" موحد نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ اس کی ممی اور دادی کی اکثر جھڑپ ہوتی تھی لیکن انہوں نے آج تک یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس گھر میں کبھی نہیں آئیں گی۔

"وہ کیا کہے گی بھلا؟ جس گھر میں محبت کو بھی شک کی عینک لگا کر دیکھا جا رہا ہو، میں وہاں کس طرح جا سکتی ہوں؟ اچھا بہت ہوگئیں تمہاری ماں کی برائیاں۔ چائے پیو۔ بلکہ لاؤ دو میں دوسری بنا دیتی ہوں۔" وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئیں۔ موحد چپ چاپ بیٹھ گیا۔ رات کا کھانا دادی اور عفان کے ساتھ کھا کر وہ نو بجے گھر پہنچا تھا۔ جہاں دونوں میاں بیوی تک سک سے تیار کہیں جانے کے لیے کھڑے تھے۔ موحد انہیں اگنور کر کے سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔

"موحد۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تنزیلہ نے اسے یوں اوپر جاتے دیکھ کر چلا کر کہا مگر وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ عنائیہ کے کمرے کی طرف تھا۔

انہوں نے یہ بتایا کہ وہ اپنی ساری جائداد عفان کے نام کر چکی ہیں تو پھر بس۔ممی نے انہیں وہ وہ باتیں سنائیں کہ میں دہرا بھی۔۔" عنائیہ ایک دم خاموش ہوگئی۔اس کے چپ ہونے اور دروازے کی طرف دیکھنے پر موحد نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔تنزیلہ خونخوار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کرو ماں کی برائیاں۔یہی تربیت کی ہے تمہاری دادی نے۔" وہ غصے سے بولیں۔عنائیہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔موحد بھی فوراً بستر سے اٹھا۔

"جب ماں باپ زندہ ہوں تو تربیت دادیاں نہیں مائیں کرتی ہیں اور آپ کو تو کبھی اس بات کی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ بدلحاظی سے بولا۔تنزیلہ کی آنکھیں غصے سے مزید پھیل گئیں۔

"مل آئے دادی سے؟ خوب لگائی بجھائی کی ہوگی انہوں نے اسی لیے اس لہجے میں بات کر رہے ہو اور آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔" ان کی آواز بھی بلند تھی۔

"میں جس دن آنکھیں ماتھے پر رکھوں گا ناں اس دن آپ کو اچھی طرح علم ہوگا کہ آنکھیں ماتھے پر رکھنا کسے کہتے ہیں۔" وہ بھڑک گیا۔

"تم کسے دھمکیاں دے رہے ہو؟ مجھے؟ یہی سکھا کر بھیجا ہے انہوں نے؟ منہ پر میٹھی بنتی ہیں اور جب کچھ دینے کا وقت آیا تو اپنے بڑے بیٹے کی اولاد یاد آگئی۔ساری جائداد اس عفان کے نام کر دی ہے انہوں نے۔" ان کا غم باہر آگیا۔انہیں یہ گمان تھا کہ اس بات کا علم موحد کو نہیں۔عنائیہ پریشان کن تاثرات لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔عاصم بھی اوپر آگئے۔

"ہاں تو کیا غلط کیا ہے انہوں نے؟ ان کی جائداد ہے ان کی مرضی وہ جس کے چاہے نام کر دیں۔آپ کو کس بات کی پریشانی ہے؟" موحد کی بات پر وہ ہکا بکا رہ گئیں پلٹ کر عاصم صاحب کی طرف دیکھا۔

"اس جائداد پر ہم سب کا بھی حق ہے۔" عاصم صاحب غصے سے بولے۔

"پاپا آپ کا کوئی حق نہیں اس جائداد پر۔مجھے اچھی طرح یاد ہے دادی نے آپ کو اور تایا کو اپنی جائداد میں سے آپ دونوں کا حصہ بہت پہلے ہی دے دیا تھا اور باقی جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ ہم سب کے لیے رکھا"۔اس کی بات سن کر عاصم لمحے بھر کے لیے گڑبڑا گئے۔

"تم لوگوں کا تو حق تھا؟ اس کا کیا کیا انہوں نے؟ بولو جواب دو"۔تنزیلہ تیزی سے بولیں۔

"ہم لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنا اپنا حصہ عفان بھائی کو دیا ہے۔" عنائیہ نے منہ کھولا۔یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری۔

"کیا؟ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟ عفان کیا کوئی ایدھی سینٹر چلا رہا ہے؟ کروڑوں کی جائداد تم لوگوں نے کس کے مشورے سے اس کے نام منتقل کرنے دی؟" غصے سے ان کا دماغ خراب ہوگیا۔لگ رہا تھا وہ رو پڑیں گی۔

"میرے مشورے پر۔آپ لوگوں کو تو کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن ابھی ہماری آنکھیں خراب نہیں ہوئیں۔عفان بھائی کو بزنس میں مسلسل نقصان نے ان کا سب کچھ چھین لیا۔تایا ابو بیمار ہوئے، ان کے مہنگے علاج میں بچی کچی ساری رقم خرچ ہوگئی، گھر تک بک گیا مگر نہ تو آپ نے کبھی ان کی مدد کی، مدد تو دور کبھی پوچھا نہیں الٹا ہمیشہ انہیں نااہل کہہ کہہ کر طعنے مارے۔دادی ان کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتی ہیں مگر انہیں آپ نے کبھی جھوٹے منہ تسلی تک نہیں دی۔اور آپ انہیں مورد الزام ٹھہراتے رہے ہیں۔ہم تینوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے۔اس فیصلے میں نہ تو دادی کی مرضی شامل تھی نہ ہی عفان بھائی کی۔سو آپ انہیں الزام دینا بند کر دیں۔اور ہاں یاد آیا۔کل وکیل کو بلوا لیجیے گا، زندگی کا کیا بھروسا میں نہیں چاہتا کہ میں وصیت کیے بغیر مر جاؤں"۔موحد نے بے حد سخت لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔جبکہ تنزیلہ اور عاصم ساکت کھڑے تھے۔

دوسرا اور آخری حصہ آئندہ شمارے میں

☆☆

ماہنامہ
کرن
اکتوبر 2017
کرن کا دستر خوان
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

دوسرا اور آخری حصہ

ناولٹ

روشن چہرہ

عنبرین ولی

digest library.com

"مجھے موحد کا فون آیا تھا۔" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہاتھوں پر کولڈ کریم لگا رہی تھی جب زبیر نے اسے بتایا۔

"کون موحد؟ وہ جس نے تمہارے ساتھ یونی کے ابتدائی دنوں میں بدتمیزی کی تھی؟" مریم کا حافظہ کافی تیز تھا۔ زبیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس نے تمہیں کیوں فون کیا؟" وہ حیران تھی۔

زبیر اس کے پیروں کے پاس لیٹ گیا اور سائڈ پر پڑا تکیہ کھینچ کر سر کے نیچے رکھ دیا۔

"اس دن جب اطہر کو امی اس گھر میں لے کر آئی تھیں اور تم نے مجھے فون کیا تھا تو میں پریشانی میں اپنے سارے نوٹس اور بیگ وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اس وقت لائبریری میں موحد موجود تھا۔ میرے واپس نہ آنے پر اس نے میرا سامان اٹھا لیا۔ اب واپس کرنا چاہتا ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"تم تین دن سے اس لیے ہونق تھے کہ نوٹس تم بھول آئے تھے اور یہ بات تم مجھے آج بتا رہے ہو؟" مریم نے غصے سے اسے تھپڑ مارا۔ زبیر نے اس کو گھورا۔

"ویسے یہ بدتمیز آدمی اتنا نیک کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ تمہارا سامان اور نوٹس دینے کے لیے تمہیں کال کرے۔" مریم حیران تھی۔

"اب وہ اتنا بھی برا نہیں۔ لڑکے ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور یونی ورسٹی لائف میں تو یہ سب چلتا ہے۔"

"تم بہت طرف داریاں نہیں کر رہے اس کی؟" مریم نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"میں نے کوئی طرف داری نہیں کی۔ میں تو صرف سچائی بیان کر رہا ہوں۔ اگر ایک بندے نے اچھائی کرنے کی ٹھانی ہے تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی برائی کو بھول جاؤں۔" مریم نے اسے گھور کر دیکھا وہ ہنس پڑا۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی، وہ اسٹڈی میں کتابیں کھولے بیٹھا تھا لیکن اس کی توجہ کا ایک نقطہ بھی کتاب پر نہیں تھا۔ اس کی غلافی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ دادی سے اور پھر ممی پاپا سے ہونے والی تلخ کلامی نے اس کا دماغ بھٹکا دیا تھا۔ ذہن کسی بھی ایک جانب مذکور کرنا بے حد مشکل تھا۔ پھر اسے اپنی گرل فرینڈ یاد آ گئی، اس سے زبیر اور زبیر سے وہ فون کال ریسیو کرنے والی لڑکی۔

وہ لڑکی یقیناً اس کی بہن ہوگی۔ کتنی خوب صورت آواز تھی اس کی، جیسے کوئی جھرنا بہتا ہو۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے فرصت سے سوچنے لگا۔ آواز اتنی حسین ہے چہرہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ لیکن نہیں اکثر خوب صورت آواز رکھنے والے لوگوں کے چہرے حسین نہیں ہوتے۔ لیکن زبیر بھی ٹھیک ٹھاک ہینڈسم ہے۔ اگر وہ لڑکی اس کی بہن ہوتی تو یقیناً وہ بھی خوب صورت ہوگی۔ اس نے کتاب ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے سوچا اور پھر سے کتاب پر نگاہیں جما دیں۔ کوشش

کے بعد وہ پڑھائی پر توجہ مرکوز کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اگلی صبح اسے زبیر سے ملنے جانا تھا۔ زبیر نے اسے پرسنل نمبر سے کال کی تھی۔ اور جگہ متعین کی لیکن اس نے منع کر دیا۔

''تم میرے گھر آجاؤ یا میں تمہارے گھر آجاتا ہوں، ریسٹورنٹ میں جانے کا بالکل موڈ نہیں۔'' اس نے بہانہ تراشا، موحد کی دل پھینک طبیعت اس سندر ناری کو دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔ جس کی آواز نے ہی اس کے گرد مندر کی گھنٹیوں کا ساز بکھیر دیا تھا۔ اس کی توقع کے مطابق زبیر نے موحد کو گھر پر انوائٹ کرلیا تھا۔ موحد اچھی طرح تیار ہوا۔ اس کا بیگ اٹھایا اور ایک بار پھر اس لڑکی کی تصویر نکالی۔ ''افسوس ہے زبیر تمہاری پسند پر۔۔۔ بے حد افسوس۔'' اس نے ہنستے ہوئے وہ تصویر اسی جگہ پر رکھی اور بیگ بند کر دیا۔

☆☆☆

مریم کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی جب زبیر اس کے کمرے میں آیا۔ اس کے قریب بستر پر بیٹھ گیا۔

''ابھی مجھے موحد کا فون آیا تھا۔ میں نے اسے

digest library.com

ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔" زبیر کی بات سن کر مریم کے ہاتھوں کتاب چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ مہینے کا آخر چل رہا ہے اس نواب صاحب کو ایسے وقت میں کیوں دعوت دے دی؟" مریم بے اختیار پریشان ہو گئی تھی۔

"موحد نے کہا کہ وہ باہر ملنے کے موڈ میں نہیں ہے یا تو میں اس کے گھر آجاؤں یا وہ میرے گھر۔ اب ایسے میں، میں اسے کیسے منع کرتا۔" اس نے بے چارگی سے وجہ بتائی۔ مریم نے کتاب سائڈ پر رکھی۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔ کس وقت تک آئے گا؟" اس نے وقت پوچھا۔

"آٹھ بجے تک۔ تم بس دو چیزیں ہی بنانا۔ زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔" زبیر نے آہستگی سے کہا۔

"ارے اب ایسا بھی برا حال نہیں کہ میں اپنے بھائی کے مہمانوں کی ڈھنگ سے مہمان داری نہ کر سکوں۔ میں اس لیے پریشان ہو گئی تھی کہ ایسے لوگوں کے گھر تو ایک ایک وقت میں نجانے کتنے قسم کے کھانے پکتے ہیں۔ ہمارا اہتمام بھی اسے معمول لگے گا۔" مریم نے مسکرا کر وجہ بتائی۔ زبیر کے چہرے سے شرمندگی کم ہوئی۔ وہ اپنے کسی بھی دوست کو گھر پر اسی لیے مدعو نہیں کرتا تھا کہ یہ گھر مریم کی کمائی پر چلتا تھا۔ زبیر کے سارے خرچے بھی وہی پورے کرتی تھی۔ زبیر کی خواہش تھی کہ اگر وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا، بوجھ کم نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کی وجہ سے بجٹ بھی خراب نہ ہو۔ مریم اس کی شرمندگی بھانپ کر اب افسوس میں مبتلا تھی کہ اس نے یہ بات کیوں کہی۔ لسٹ بنا کر زبیر کو پکڑائی اور خود کچن میں آگئی۔

"یہ اچھا ہے کہ وہ موصوف ایسے وقت آئیں گے کہ صرف کھانا کھلانا پڑے گا۔ چائے کے وقت آتے تو مشکل ہو جاتی۔ کوکیز تو! نجانے کیا کیا یہاں کی سیدھی سادی بیکریوں سے تو ملنے سے رہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے ہاتھ چلا رہی تھی۔ زبیر کے سامان لا دینے پر اس نے مرغی نکالی۔

"تم باقی کام کرو میں مرغی دھو دیتا ہوں۔" وہ مریم کی ایسی مدد کرتا رہتا تھا۔ مریم نے اسے تھیلا پکڑایا اور خود باقی کام کرنے لگی، چولہے پہ آلو ابالنے کو رکھ دیے۔

"ویسے بتاؤ گی کیا کیا؟" زبیر نے مرغی کو رگڑ رگڑ کر دھوتے ہوئے پوچھا۔

"دستی اور آسان چیزیں۔" مریم نے شرارت سے کہا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً کڑھائی، پلاؤ، کٹلس، کباب اور میٹھا۔ کافی ہے اتنا؟" زبیر نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ رات آٹھ بجتے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ زبیر کو مریم نے کالی مرچ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ مریم دروازے پر آئی۔ اسے علم نہیں تھا کہ موحد وقت کی پابندی کرے گا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ زبیر یا پھر محلے کے بچوں میں سے کوئی ہو گا۔

"کون ہے؟" اس نے پوچھا

"میں۔ موحد۔ زبیر کا دوست۔" باہر سے آنے والی آواز پر وہ سیدھی ہو گئی۔

"ایک منٹ۔ اتنا کہہ کر وہ اندر آگئی"۔ اماں۔ زبیر کا کوئی دوست آیا ہے، اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیں۔ زبیر بس آتا ہی ہو گا۔" زلیخا نے اسے خون خوار نگاہوں سے دیکھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ گئیں۔ مریم اندر آگئی تھی۔ جب اسے لگا کہ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں جا چکے ہیں تو وہ کچن میں آگئی۔ شکر کہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر لٹکتے پردے کو برابر کر دیا تھا۔ پانچ منٹ بعد ہی زبیر آگیا۔

"تمہارا دوست تو وقت کا کچھ زیادہ ہی پابند ہے۔ آچکا ہے۔ یہ جوس کا گلاس لے جاؤ ساتھ۔ دروازہ بجایا تھا مگر امی نے سنا نہیں شاید۔" اس نے کانچ کا نفیس سا گلاس اس کے آگے کیا۔

"یہ کب خریدے؟ بہت خوب صورت ہیں۔" زبیر نے گلاس کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"پچھلے ہفتے ہی لائی تھی۔" اچھا تفصیلات بعد

میں پوچھنا۔ پہلے یہ لے جاؤ۔ زبیر نے گلاس اٹھایا اور اندر بڑھ گیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد اس نے کھانا لگانے کا کہا۔ مریم سب کچھ تیار کر چکی تھی۔ کچن سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ مریم کے ہاتھ میں قدرتی ذائقہ تھا اور اتنے سالوں کی پریکٹس نے اسے ماہر کر دیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں ٹیبل سائڈ پر رکھ کر اس نے دسترخوان بچھایا۔ تاکہ آرام سکون سے کھانا کھا سکیں۔ موحد کو زبیر کام کرتا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

''گھر میں کیا کوئی اور نہیں؟ جو کھانا تم لگا رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

''میری بڑی بہن ہے۔ اسی نے یہ کھانا بنایا ہے۔ لیکن جب بھی مرد مہمان آئیں تو کھانا میں ہی لگاتا ہوں۔'' زبیر نے سادگی بھرے لہجے میں کہا۔

''آئیں بیٹھیں۔'' زبیر نے اسے اشارہ کیا۔

موحد نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ خوب صورت برتنوں میں دل سے بنایا گیا کھانا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ موحد کے منہ میں پانی آ گیا۔

''آنٹی ہمارے ساتھ نہیں کھائیں گی؟''

''وہ اپنے کمرے میں کھانا کھاتی ہیں۔''

''اور بہن؟ وہ بھی ہمیں جوائن نہیں کریں گی؟''

زبیر بے اختیار مسکرایا۔

''اصل میں ہم لوگ تھوڑے سے الگ ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ میری بہن باقاعدہ پردہ کرتی ہے۔ میری فیملی کی اکثر عورتیں ایسی ہی ہیں۔ اور مرد مہمانوں کے سامنے آنا انہیں پسند نہیں''۔ زبیر نے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اپنی دادی کے پاس بیٹھا ہے۔ انہیں بھی زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھانا پسند تھا اور وہ بھی مہمانوں کا یوں ہی خیال رکھتی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب تک وہ کھانا کھاتے رہے زبیر کسی ذمہ دار انسان کی طرح کچھ نہ کچھ اس کی پلیٹ میں ڈال دیتا۔ نہ نہ کرتے بھی وہ بہت کچھ کھا گیا۔ ڈنر کا مینیو کس قدر سادہ تھا۔ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو وہ ڈیلی روٹین میں نہ کھاتا ہو۔ مگر اسے آج زبیر کے ساتھ ڈنر کر کے بہت مزا آیا۔ اس کی بالکل سادہ باتیں۔ جن میں نہ تو کوئی عیاری تھی اور نہ ہی مطلب۔ اس نے موحد کو عزت دی تھی۔ اخلاص دیا تھا۔ موحد کا دل جھک سا گیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ اس بات کا احساس ہوا کہ وہ کس قدر مصنوعی ماحول میں رہتا آ رہا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ ہی دیر بیٹھے گا اور پھر چلا جائے گا لیکن وہ ساڑھے دس تک وہیں رکا رہا۔ کچن میں سے کھٹ پٹ کی آوازیں اس کی سماعتوں میں اترتی رہیں۔ کسی کی موجودگی اسے شدت سے محسوس ہوتی رہی۔ زبیر سے رخصت لے کر وہ گھر جانے کے بجائے دادی کے گھر آ گیا۔ ان کا گھر بھی اب زبیر کے گھر سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ عفان کی موحد سے کئی بار بحث ہو چکی تھی۔ وہ ان پیسوں کو لوٹانا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اس کی دادی کی تضحیک کی گئی لیکن موحد نہیں مانا۔ عفان بے حد پریشان تھا۔ اس نے قرض کے طور پر یہ رقم لی تھی۔ اسے خوف تھا کہ اگر وہ پھر سے ناکام ہو گیا تو؟

''یہ میرا لاسٹ سمسٹر ہے۔ اس کے بعد میں آپ کو جوائن کر لوں گا۔ آپ نفع نقصان بھول کر کام شروع کیجیے۔ اس نے عفان کو تسلی دی۔ اور دادی کے کمرے میں آ گیا۔ ان کے ساتھ ان کے بستر میں کسی ننھے بچے کی طرح گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''دادی! آپ ممی کی وجہ سے اب اس گھر میں نہیں آئیں گی؟ آپ سے پیار کروانے کے لیے مجھے یہاں آنا پڑے گا؟'' وہ ناراضی سے کہہ رہا تھا، دادی جو اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ رک گئے۔

''موحد تم کیا چاہتے ہو؟ میں وہاں کسی مجرم کی طرح جاؤں۔ تمہاری ماں مجھے کٹہرے میں کھڑا کرے اور میری محبت کا احتساب کرے؟'' ان کی بات سن کر موحد تڑپ گیا۔

''میں ایسا بالکل نہیں چاہتا دادی۔'' اس نے ان کا بوڑھا ہاتھ تھام لیا۔ جواباً انہوں نے اس کے

ہاتھ پر بوسہ دیا۔
"تو بس آج کے بعد یہ بات مت دہرانا۔" انہوں نے موحد کا چہرہ چھو کر کہا۔ وہ پھر سے لیٹ گیا۔
"آج رات میں یہیں رکوں گا۔ شہریار سے کہیں جا کر اپنے ابا کے پاس سوئے۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ دادی ہنس پڑیں۔
"بن ماں کا بچہ ہے۔ باپ بے چارہ اپنے دھندوں میں الجھا رہتا ہے۔ اسے نئے اسکول میں داخل کروایا ہے۔ وہاں بہت خوش ہے۔ اس کی ایک ٹیچر ہیں دن بھر اس کی ہی باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ بھی اسے بہت پیار کرتی ہے۔" انہوں نے اسے تفصیل بتائی۔
"دادی ایک بات بتائیں؟ کیا ساری عورتیں عفان بھائی کی بیوی جیسی ہوتی ہیں؟ جنہیں صرف خوش حال شوہر ہی چاہیے؟" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ اس کے سوال پر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔
"ساری عورتیں، سارے مرد ایک سی فطرت کے نہیں ہوتے۔ اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہے۔" انہوں نے گہری سانس بھر کر کہا۔
"کچھ لوگ اپنی ترجیحات پر کبھی کمپرومائز نہیں کرتے جیسے تم، تمہارے والدین، تمہارے بہن بھائی۔ عفان کی بیوی کی بھی پہلی ترجیح کامیاب شوہر کی بیوی بننا ہوگا۔ ایک ناکام مرد کے ساتھ اسے زندگی گزارنا بے حد مشکل بلکہ ناممکن لگتا ہوگا اسی لیے وہ چھوڑ کر چلی گئی۔ اسے بچے سے بھی اتنی انسیت نہیں، شاید ہوگی لیکن بچہ اس کی اولین ترجیح نہیں ہوگا۔" وہ بے حد صاف سیدھے انداز میں بول رہی تھیں لیکن دکھ پھر بھی چھلک رہا تھا۔ موحد لیٹنے سے اٹھ بیٹھا۔
"وہ کون عورتیں ہوتی ہیں، کیسے مرد ہوتے ہیں جن کے لیے ان کی ذات سے زیادہ بھی کچھ اہم ہوتا ہے؟" موحد ان کے ہاتھوں کو اپنے توانا ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا۔
"تمہارے دادا جیسے مرد، میرے عفان جیسے مرد۔" ان کے لہجے میں لمحے بھر کے اندر محبت چھلکنے لگی۔ "تمہارے دادا کی پہلی ترجیح میں اور ہمارا گھر تھا۔ عفان کے لیے اس کی پہلی ترجیح میں اور شہریار ہیں۔ تمہارے باپ کی پہلی ترجیح پیسہ اور اسٹیٹس ہے جبکہ تمہارے لیے حسن۔" ان کی آخری بات پر وہ گڑبڑا گیا۔ مگر چپ کر کے سنتا رہا۔
"خدا تمہیں ایسی بیوی سے نوازے جس کی پہلی اور آخری ترجیح تم ہو۔" انہوں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر محبت سے کہا۔ موحد کے دل سے بے اختیار ہی آمین نکلی۔ وہ دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا اور پھر ان کے پاس ہی سو گیا۔ صبح اس کی آنکھ عفان کے شور سے کھلی۔ موحد ہڑبڑا گیا تھا۔ دادی فرش پر گری ہوئی تھیں۔ عفان بدحواسی کے عالم میں انہیں جھنجوڑ رہا تھا۔ پاس ہی شہریار کھڑا تھا۔ ہراساں اور روتا ہوا۔ ہوش و حواس میں آنے سے پہلے وہ بستر سے چھلانگ لگا کر اترا۔
"کیا ہوا؟" دادی کے قریب جاتے ہوئے اس نے عفان سے پوچھا۔ عفان نے کوئی بھی جواب نہیں دیا اور دادی کو بازوؤں میں بھر کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ شکر کہ موحد کی گاڑی موجود تھی، انہیں فوراً ہسپتال پہنچایا گیا۔ عفان کا چہرہ بے حد سرخ تھا، وہ موحد سے بات نہیں کر رہا تھا۔ چہرے پر پریشانی اور غصے کے تاثرات تھے۔ موحد خاموشی سے ڈاکٹر سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر آیا۔ دادی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا لیکن جلدی ہسپتال پہنچ جانے کے باعث ان کی جان بچ گئی۔ ابھی وہ انڈر آبزرویشن تھیں اور کسی کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ شہریار باپ سے چمٹا خوف زدہ سا کھڑا تھا۔ عفان کا رویہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا، جب عفان ڈاکٹر کے کہنے پر دوائیں لینے گیا تو وہ شہریار کے قریب آیا اور اسے اپنی گود میں بٹھایا۔
"بیٹا آپ صبح کتنے بجے جاگے تھے؟" شہریار کے گرد بازو لپیٹ کر اس نے نرمی سے پوچھا۔
"سات بجے۔" اس نے یاد کر کے بتایا۔
"تب دادی ماں کیا کر رہی تھیں؟"

وہ میرے لیے ناشتا اور ٹفن بنا رہی تھیں۔

''اس کے بعد کیا ہوا؟'' موحد نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔

''اس کے بعد۔۔ مجھے دادی نے کہا کہ میں آپ کو جگاؤں۔ جب میں آپ کے کمرے میں آیا تو فون بج رہا تھا۔ چھوٹی دادی کا فون آیا تھا۔ میں نے دادی کو آ کر بتایا، انہوں نے آ کر ان سے بات کی اور پھر نیچے گر گئیں۔'' موحد نے ساری بات سن کر گہری سانس بھری۔ اسے عفان کے غصے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔ عفان کے آنے پر وہ اٹھا اور دادی سے ملے بغیر ہی گھر کی طرف چلا آیا۔ جہاں اس کی ممی صبح ہی صبح کہیں جانے کے لیے تیار تھیں، ساتھ ہی اس کے ڈیڈ بھی تھے۔ موحد کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کے ڈیڈی ٹھٹک گئے۔ جبکہ ممی نے غصے سے منہ بگاڑا۔

''کیا بات ہے موحد؟ بہت پریشان لگ رہے ہو؟'' عاصم نے اسے دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

''پریشان تو ہوگا۔ رات اپنی دلاری دادی کے گھر جو گزار کر آیا ہے۔ خوب کان بھرے ہوں گے۔'' تنزیلہ کے اس جملے پر موحد نے انہیں بے حد سرد نگاہوں سے دیکھا، مگر کچھ نہ بولا۔ اور سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

''کچھ تو ہوا ہے۔ موحد کا چہرہ دیکھا کیسا پھیکا ہوا پڑا ہے۔ تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں پوچھ کر آتا ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے پوچھنے کی، میں نے صبح انہیں فون کر کے جائداد کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے دس لگا کر بتادی ہوں گی اسی لیے غصے میں ہے۔'' انہوں نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

''نہیں۔۔۔ مجھے بہت عجیب سا لگا وہ، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ آ کر تم سے جھگڑا کرتا۔'' وہ سچ مچ پریشان ہو گئے تھے۔ دونوں آگے پیچھے اس کے کمرے میں آئے جہاں وہ اپنی بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ایک بیگ میں کپڑے بھر رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟'' انہوں نے بیگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا لیکن وہ جواب دیے بنا اپنے کام میں مصروف رہا۔

''کچھ پوچھ رہا ہوں میں تم سے۔'' اس بار ان کی آواز بلند تھی۔ موحد نے ہاتھ روک کر انہیں دیکھا۔

''میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں، کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔'' اس نے یوں کہا جیسے دوستوں کے ساتھ ٹرپ پر جانے کی بات کر رہا ہو۔

''دادی نے ایسی کیا آگ لگائی ہے جو گھر چھوڑ کر ہی بجھے گی۔'' وہ جو بیگ میں کپڑے ٹھونس رہا تھا، ماں کی بات سن کر اس نے غصے سے ہاتھ میں پکڑی شرٹ بستر پر پھینکی۔

''وہ کیا آگ لگائیں گی؟ ہسپتال میں پڑی ہیں وہ۔ ہارٹ اٹیک ہوا ہے انہیں۔'' وہ درد بھری آواز میں چلایا۔ لمحے بھر کے لیے چاروں طرف جیسے موت کا سناٹا پھیل گیا۔

''ک۔ کیا مطلب؟ کب ہوا؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' عاصم کی آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔ موحد استہزائیہ لہجے میں ہنسا

''اگر آپ کو علم ہوتا بھی تو آپ کیا کر لیتے؟ جیسے تایا کی بیماری کے وقت کھڑے کھڑے حال چال پوچھ کر آ جاتے تھے دادی کے ساتھ بھی یہی کرتے۔ اگر بالفرض دو گھڑی بیٹھنے کا سوچتے تو آپ کی بیگم کو ناگوار گزرتا اور ماشاء اللہ سے یہ تو آپ کا دوسرا خدا ہیں۔'' اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ تنزیلہ بلبلا اٹھیں۔

''بکواس بند کرو اپنی۔'' وہ غصے کی شدت سے چلائیں۔

''یاد رکھیے گا پاپا، جو کچھ آپ دونوں کر رہے ہیں ناں۔ خدا اس کی سزا آپ دونوں کو دے گا۔ اور بہت جلد دے گا۔ اتنی ہوس اچھی نہیں کہ انسان خون کے رشتوں سے بغاوت پر اتر آئے۔'' اس نے ساکت کھڑے باپ کی طرف ایک نگاہ دیکھا اور بیگ کی زپ بند کر کے کندھے پر لٹکایا۔ ماں کی طرف دیکھے بنا وہ باہر نکل گیا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ آگے کیا کرے گا، کہاں جائے گا لیکن ایک بات تو طے تھی کہ

digest library.com

اسے اب اس گھر میں نہیں رہنا تھا۔

"دیکھا آپ نے یہ کیا بکواس کر کے گیا ہے؟ ہمیں بددعائیں دے رہا ہے یہ؟ یہ تربیت دی ہے آپ کی ماں نے۔" ان کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

"تم اپنی بکواس کسی وقت بند نہیں کر سکتیں؟ جب دیکھو بک بک، چپ کر جاؤ۔ ہسپتال جانا ہے یا نہیں؟" لمحے بھر کے لیے وہ شاک رہ گئیں۔ ایسا لہجہ، ایسے الفاظ۔ انہوں نے کبھی استعمال نہیں کیے تھے۔ وہ منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"تم یہاں کھڑی ہو کر کوئی نئی چال سوچو۔ فری ہو جاؤ تو آ جانا۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے، وہ وہیں کھڑی رہ گئیں۔

☆☆☆

بیگ گاڑی میں پھینک کر اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اور سر اسٹیئرنگ سے ٹکا دیا۔ اس کی سرخ آنکھوں سے کب پانی بہنے لگا اسے احساس نہ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں تو دادی کے چہرے کی تکلیف کرچیاں بن کر چبھ رہی تھی۔

"ہم لوگ کتنے بدقسمت ہیں۔ بہت بدقسمت۔" موحد نے سر اٹھا کر آنکھیں رگڑیں۔ اس کا رخ اس راستے پر تھا جو دادی اور عفان کے چھوٹے سے گھر کی طرف جاتا تھا۔ گھر جا کر اس نے ایک کمرے میں اپنا بیگ رکھا۔ اور کچھ سوچتے ہوئے ڈاکٹر کو کال ملائی۔ انہوں نے بتایا کہ جہاں آراء بیگم کو ہوش آ چکا ہے، ان سے باقی تفصیلات لے کر اس نے فون کاٹ دیا۔ بیگ میں سے کپڑے نکال کر الماری میں لٹکاتے ہوئے اس کے ذہن میں زبیر گھوم رہا تھا۔ الماری سیٹ کر کے اس نے اسے کال ملائی۔ دوسری بیل پر ہی کال ریسیو کر لی۔

"میں موحد بات کر رہا ہوں۔" زبیر کے ہیلو کہنے پر اس نے تعارف کروایا۔

"کیسے ہیں آپ؟" دوسری جانب سے اس نے خیریت دریافت کی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ میری دادی ہسپتال میں ہیں۔ اور گھر میں کوئی خاتون نہیں جو ان کے لیے پرہیزی کھانا بنا سکیں۔ کیا تم اپنی بہن سے کہہ کر مجھے فیور دے سکتے ہو؟" موحد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا دادی کو؟" زبیر کے لہجے میں پریشانی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر اسپیکر کو دیکھا۔ ایک غیر انسان اس کی تکلیف سن کر گھبرا گیا تھا، اور ایک اس کی ماں تھیں، موحد نے ڈھکی چھپی تفصیل بتائی۔

"آپ کو مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔ مریم بنا دے گی جو بھی بنوانا ہے آپ بتا دیں۔ کیا میں انہیں دیکھنے ہسپتال آ سکتا ہوں؟" موحد کو سکون محسوس ہوا۔

"ہاں میں تمہاری طرف آتا ہوں، پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے کال کاٹی اور زبیر کی طرف آ گیا۔

"مجھے علم نہیں کہ یہ ساری چیزیں کیسے خریدتے ہیں۔ تم یہ پیسے رکھو اور پلیز سامان منگوا دو۔" موحد کو اپنی احمقانہ حرکتوں کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کھانے پینے اور اس قسم کی چیزیں اس نے واقعی کبھی نہیں خریدی تھیں، لیکن اس قدر مسکینیت طاری کیے بغیر بھی زبیر اس کی بات سن لیتا، وہ بہت پریشان تھا۔ کسی کا سہارا چاہیے تھا شاید یا کچھ اور؟ وہ سمجھ نہیں پایا۔

"یہ پیسے بھی آپ رکھیں اور سکون سے بیٹھ جائیں۔ میں سامان لے آتا ہوں۔" زبیر نے مسکرا کر کہا۔ مگر موحد نہ مانا۔ زبردستی اسے پیسے پکڑائے۔ زبیر کے جانے کے پانچ منٹ بعد ڈارئنگ روم کے دروازے پر دستک ہوئی اور ہلکا سا دروازہ کھلا۔ بس اتنا کہ ایک زنانہ ہاتھ چائے کے کپ سمیت اس پار آ جائے۔ صاف ستھرا لمبی انگلیوں والا ہاتھ جس کے ناخن بھی تراشے ہوئے نہیں تھے پھر بھی اسے بہت حسین لگا۔

"یہ چائے لے لیں۔" یقیناً گھر میں کوئی نہیں تھا اسی لیے وہ خود یہاں تک آئی تھی۔ موحد کا دل چاہا وہ چائے کی جگہ ہاتھ ہی تھام لے، مگر ایسا کرنا ناممکن تھا۔ چائے کا کپ احتیاط سے پکڑ کر وہ پیچھے ہوا، اسے دروازہ بند کرنے اور پھر اسی دروازے پر کنڈی لگانے کی آواز آئی وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"احتیاطی تدابیر۔" اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔ باہر سے کسی کے چلنے اور کام کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ صوفے سے اٹھا اور دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ دروازے میں چھوٹا سا سوراخ تھا۔ حرکت تھی تو انتہائی گھٹیا لیکن اس حسن کی دیوی کو دیکھنے کی خواہش نے اسے اس فرق کو بھولنے پر مجبور کردیا تھا۔ سوراخ میں سے بس اس کی پشت کا کچھ حصہ اور بالوں کی لمبی چوٹی دکھی۔ موحد کی دھڑکن اس پر نگاہ پڑتے ہی تیز ہوگئی۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔ مگر پھر دروازے سے چمٹ گیا۔ مگر وہ شاید کچن میں جاچکی تھی۔ دبلی پتلی چوڑے شانے اور پتلی سی کمر۔ موحد بس حیران تھا۔ اس عام سے گھر میں رہنے والی اور اس قدر پرفیکٹ۔ اس نے چائے پی۔ کچھ ہی دیر بعد زبیر بھی آگیا۔ وہ دونوں ڈیڑھ گھنٹہ وہاں رکے، اس دوران مریم نے نہ صرف پرہیزی کھانا بنالیا تھا بلکہ ان کے لیے بھی لنچ کا اہتمام کیا تھا۔ موحد کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

ہسپتال جاتے ہوئے وہ بار بار ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ آخر اس گھر میں ایسا کیا ہے جو وہ یوں کھچا چلا آتا ہے؟ جواب میں خلوص اور بھروسا آیا۔ کچھ دیر بعد وہ ہسپتال پہنچ گئے۔ عفان موحد کو دیکھ کر کچھ نہیں بولا کیونکہ اس کے ساتھ زبیر بھی تھا۔ دادی سے مل کر ان کی خیریت معلوم کرکے زبیر چلا گیا جبکہ وہ دادی کو سوپ پلانے لگا۔ عفان کو موحد پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا، نہ وہ رات ان کے گھر رکتا نہ ہی یہ سارا کھڑاک ہوتا۔

"تمہارا باپ آیا تھا مجھ سے ملنے، رو رہا تھا۔" دادی نے خوشی سے بتایا۔ موحد نے کوئی تاثر نہیں دیا۔

"آپ کو ڈاکٹر نے باتیں کرنے سے منع کیا ہے اور آپ فضول باتیں کرنے لگیں؟ چپ چاپ اسے ختم کیجیے یہ ساری باتیں یہاں سے ڈسچارج ہونے کے بعد کریں گے۔" اس نے بڑے آرام سے انہیں خاموش کروادیا۔ موحد انہیں دوا پلا کر باہر آیا۔ عفان یہاں سے وہاں بے چینی سے چکرا رہا تھا۔ موحد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں آپ کی بے چینی اور غصے سے واقف ہوں لیکن یہ بے جا ہے۔ فضول ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جتنا پیار آپ کو دادی سے ہے اتنا ہی مجھے بھی ہے۔ ان کے ساتھ آج جو کچھ ہوا مجھے اس کا بے حد اور بے تحاشا افسوس ہے، افسوس شاید بہت معمولی لفظ ہے۔ میری اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہوگی کہ میں اپنے والدین کو دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ میرے دل میں موجود ان کی محبت پر گرد جمنے لگی ہے۔" وہ بولتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔ "اگر آپ کو یہ لگتا ہے کہ مجھے دادی سے دور رکھ کر آپ انہیں خوش رہنے پر مجبور کرسکتے ہیں تو کرلیجیے یہ کوشش بھی۔ لیکن اس بات سے آپ بھی واقف ہیں ممی کی طرح آپ بھی انہیں صرف ہرٹ کریں گے اور کچھ نہیں۔" عفان تھک کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"یہ سب اس جائداد کی وجہ سے ہورہا ہے۔ مجھے نہیں چاہیے یہ سب۔ میرے پاس ایک دادی ہی تو ہیں اور کون ہے میرا؟ اور یہ پیسا مجھ سے انہیں دن بدن دور کرتا جارہا ہے۔" وہ بہت دکھی اور پریشان تھا۔ موحد نے انہیں تسلی دی۔ دونوں ایک ساتھ بیٹھے ایک جیسی الجھنوں میں گھرے تھے۔ کہیں پیسے کی کمی انسان کو خوار کرتی ہے تو کہیں زیادتی۔ عجیب ہی کہانی ہے۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد جہاں آرا کو ہسپتال سے گھر بھیج دیا گیا تھا۔ اس دوران تقریباً روز ہی موحد اپنے غم کی پوٹلی اٹھائے زبیر کے گھر پہنچ جاتا۔ امتحانات شروع ہوچکے تھے، زبیر بے حد مصروف تھا لیکن موحد کی آمد پر ایک دن بھی اس نے ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ وہ سامان لاکر مریم کو دے دیتا، مریم پرہیزی کھانا بنا دیتی۔ اس دوران جتنا بھی وقت لگتا وہ دونوں پڑھائی میں مصروف رہتے۔ لنچ کرکے زبیر اس کے ساتھ کچھ دیر کے لیے دادی کی خیریت معلوم کرنے چلا جاتا۔ جبکہ موحد وہیں ٹھہر جاتا اور پھر شام سے پہلے عفان کے آنے کے بعد وہ گھر چلا جاتا تھا۔ باقی کا

تمام وقت وہ پڑھائی میں مصروف رہتا۔ ان کے گھر واپس آجانے کے بعد اسے راحت محسوس ہوئی تھی۔ وقتاً فوقتاً اس کے پاپا بھی آتے رہے تھے، اسے گھر واپس لے جانے کی بات بھی کی تھی، لیکن اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ فی الحال اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ موحد نے کہہ دیا تھا کہ جب تک اس کی ممی کا رویہ تبدیل نہیں ہوگا وہ اس گھر میں نہیں جائے گا۔ اس کے دونوں بہن بھائی کالج اور یونی ورسٹی سے واپسی پر ان سے ملنے آتے تھے، جہاں آراء ان کو دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔

دادی کے واپس آجانے کے بعد اس نے خود کو مکمل طور پر پیپرز میں مصروف کرلیا۔ اس دوران ایک بار مریم زبیر کے ہمراہ ان سے ملنے آئی تھی۔ مگر موحد ایک بار پھر اسے دیکھنے میں ناکام ہی رہا۔ اس کا پورا وجود سیاہ عبائے میں لپٹا تھا۔

کیا میں کبھی اس لڑکی کا چہرہ دیکھ پاؤں گا؟ اس نے تنگ آکر سوچا۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ وہ چھت پر بیٹھی ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے گہری سوچوں میں ڈوبی تھی۔ وہ زبیر کی ہمراہی میں موحد کی دادی کی خیریت معلوم کرنے گئی تھی۔ موحد نے یقیناً انہیں بتا دیا تھا کہ کھانا مریم ہی بنا کر دیتی رہی ہے۔ وہ اتنی مشفق خاتون تھیں کہ اگر اس نے ان کی کوئی مدد نہ بھی کی ہوتی تو بھی اسی محبت اور پیار سے ملتیں۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد سے اس کی آنکھیں چھلکنے کو وجہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کی اپنی بوڑھی دادی کی دھندلی شبیہ اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ ایک واحد وہی تو تھیں جنہوں نے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔ ان کے جانے کے بعد سے وہ اس شفقت کو آج تک ترستی رہی اور آج جب جہاں آراء نے اسے گلے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا تو مریم کو یوں لگا جیسے وہ ریت کی طرح پھسل کر بکھر جائے گی۔

ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ اگر زبیر نہ ہوتا تو میں یہاں کیسے رہتی؟ کیا میں زندہ ہوتی؟ اس نے چھت کی دیواروں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ سردی بڑھ رہی تھی اور ہوا کی شدت میں تیزی آتی جارہی تھی، وہ نیچے آگئی۔ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ زلیخا کب باہر نکلیں اسے علم نہ ہوسکا۔ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے دروازے کو کنڈی لگانے کا سوچا ہی تھا کہ زلیخا نے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔

وہ بہت گھبرائی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا؟ خیریت ہے نا؟'' مریم نے ان کی بدحواسی دیکھ کر گھبرا کر پوچھا۔ وہ فرش پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئیں۔

''امی بتا ئیں بھی ک۔۔ کیا ہوا ہے؟'' مریم کے اپنے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ زلیخا کی حالت بہت خراب تھی۔

''وہ ز۔۔ زبیر اور اطہر۔۔'' ان سے بولا نہیں جارہا تھا۔ زلیخا جلدی ہاتھ پاؤں چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ مریم کی سانس بھی رک سی گئی۔

''امی خدا کا واسطہ بولیں بھی۔ میرا دم نکل جائے گا۔'' وہ کانپتی آواز میں بولی۔ زلیخا نے اس کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔

''زبیر اور اطہر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ دونوں ایمرجنسی وارڈ میں ہیں۔'' انہوں نے جملہ مکمل کرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا تھا۔ یہ سنتے ہی مریم کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔ وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

''ابھی ہسپتال سے کسی نے فون کیا تھا۔ زبیر کی ڈائری سے میرا نمبر ملا۔ میں رمضان بھائی کے گھر تھی، رمضان بھائی (پڑوسی) ابھی ہسپتال جارہے ہیں۔ وہ ہمیں ساتھ لے جائیں گے، تم اٹھو اور چلو۔'' انہوں نے ضبط کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے کہا۔ مریم کی ٹانگوں میں جان نہیں تھی نہ ہی اس کے منہ سے کوئی بات ادا ہورہی تھی۔ وہ بمشکل اٹھی۔ پانچ منٹ میں دونوں دروازے پر تھیں جہاں رمضان صاحب گاڑی لے کر کھڑے تھے۔ راستے میں زلیخا کا موبائل بجا۔ انہوں نے فون اٹھایا۔ موحد کا فون تھا۔

''ہیلو۔'' زلیخا کی آواز کپکپا رہی تھی۔ مریم کی توجہ کسی بھی جانب نہیں تھی۔ اس کے دماغ میں صرف زبیر تھا۔ اسے لگنے والی چوٹوں کی تکلیف وہ بنا دیکھے بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس تکلیف کا احساس اسے رونے پر مجبور کر رہا تھا۔ ہسپتال تک کا سفر بیس منٹ پر مشتمل تھا۔ یہ بیس منٹ اس کی زندگی کے طویل ترین اور جان لیوا لمحے تھے۔ ہسپتال پہنچ کر ایمرجنسی تک کا سفر کچھ مزید طوالت اختیار کر گیا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ زبیر کس حالت میں ہے۔ وہ اس کا سامنا کرنے سے بھی خوف زدہ تھی۔ وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب اس نے پٹیوں میں جکڑے ہوئے زبیر کو بے ہوشی کی کیفیت میں دیکھا۔ تکلیف کی انتہا کیا ہوتی ہے، انسان خود کو کیسے بے بس محسوس کرتا ہے اسے ان لمحوں میں معلوم ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر سامنے کھڑی زلیخا کو دیکھا۔ ان کی رنگت خطرناک حد تک سفید ہو رہی تھی اور وہ بنا پلک جھپکائے بہتی آنکھوں سے اپنے لخت جگر کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر نجانے کیا ہوا انہیں۔ وہ مریم سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگیں۔ دونوں کا غم سانجھا تھا۔ اطہر کو بھی کافی چوٹیں آئی تھیں، لیکن وہ ہوش میں تھا۔

کچھ ہی دیر میں موحد بھی پہنچ گیا۔ وہ دونوں اکیلی عورتیں تھیں۔ رمضان صاحب بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ مریم بینچ پر اپنے گرد بازو لپیٹ کر سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ زلیخا موحد کو دیکھ کر ایک بار پھر سے رونے لگیں۔ وہ انہیں دلاسا دینے لگا۔

''میری ابھی بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے۔ انہوں نے کہا ہے کہ زبیر خوش قسمت ہے کہ اسے ایک بھی اندرونی چوٹ نہیں آئی۔ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔'' موحد نے تفصیل بتائی۔

''اگر ایسا ہے تو وہ پٹیوں میں کیوں جکڑا ہے؟'' روئی روئی سی بوجھل سرخ آنکھیں موحد پر جمی تھیں۔ وہ مسکرایا۔

''ایکسیڈنٹ کے دوران اسے بہت سی چوٹیں آئی ہیں۔ زبیر کا پورا جسم خراشوں سے بھرا ہے لیکن کیا آپ خدا کا شکر ادا نہیں کریں گی کہ اس کی تمام ہڈیاں سلامت ہیں؟'' وہ نرمی سے بولا، مریم سے ضبط مشکل ہو گیا۔

''کتنی تکلیف ہو گی میرے بچے کو۔'' زلیخا کا برا حال تھا۔ ایک بار وہ اٹھ کر اطہر کو بھی دیکھ آئی تھیں۔ اس کی پریشانی پر بھی زبیر کی تکلیف حاوی تھی۔

''امی آپ اطہر بھائی کے پاس جائیں، وہ بھی تو تکلیف میں ہیں اور اکیلے ہیں۔ زبیر کو ہوش آیا تو میں آپ کو بلا لوں گی۔ اس نے اطہر کا خیال آتے ہی ان سے کہا۔ اطہر کے لیے اس کے دل میں موجود ساری نفرت اس وقت سو چکی تھی۔ زلیخا، موحد کے ہمراہ اطہر کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ جبکہ زبیر ابھی بھی آئی سی یو میں تھا۔ چند گھنٹوں بعد زبیر کو بھی ہوش آ گیا۔ اگلے دن اسے آئی سی یو سے روم میں شفٹ کر دیا۔ زبیر کی پریشانی کم ہوئی تو اسے نئی فکر ستانے لگی۔ اس وقت زبیر کا علاج ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ہو رہا تھا، اور پرائیویٹ ہسپتال کے خرچے پورے کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ ایک نئی پریشانی، خوف۔۔۔ وہ کھانا تیار کرنے کا بہانہ بنا کر گھر آ گئی۔ وہاں سے سیدھا کمیٹی والی کے پاس گئی۔ مریم کی کمیٹی ابھی کافی دور تھی لیکن اس کی پریشانی دیکھ کر وہ نمبر تبدیل کرنے پر راضی ہو گئی۔ ان سے رقم لے کر وہ گھر آ گئی۔ ابھی اس نے گھر سمیٹنا اور باقی کام شروع کیا ہی تھا کہ دروازہ بجا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر موحد تھا، زلیخا نے اسے بھیجا تھا تاکہ وہ مریم کو ساتھ لے آئے۔ زلیخا نے اسے یہ کہا تھا کہ وہ اگر ایسے وقت واپس آ رہا ہو اجب مریم کو بھی ہسپتال پہنچنا ہو اتب وہ اسے اپنے ساتھ لے آئے لیکن موصوف ہسپتال سے سیدھا یہیں آ گئے۔ مریم پھر سے کھول کر رہ گئی۔

''آپ چلے جائیں، میں بس سے آ جاؤں گی۔ ابھی گھر کا بہت سا کام باقی ہے اور کھانا بھی تیار نہیں ہوا۔'' اس نے وجہ بتائی۔

''کوئی بات نہیں، میں انتظار کر لیتا ہوں۔ آپ

فری ہو کر آجائیں۔ اتنا سارا سامان لے کر بس میں کیسے جائیں گی۔" بات اس کی بھی معقول تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کیجیے۔" موحد کے لیے یہ جملہ کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ وہ گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی تھی۔ لیکن پھر وہ سمجھ گیا۔ اس وقت وہ گھر پر اکیلی تھی اور اس درجہ محتاط لڑکی سے ایسے ہی جملے کی توقع کی جانی چاہیے تھی۔

"جی میں بیٹھ جاؤں گا لیکن آپ اگر ایک کپ چائے دے دیں تو......" موحد نے فرمائش کی۔

"آپ پانچ منٹ انتظار کریں میں لاتی ہوں۔"

اس کے جاتے قدموں کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔ موحد کو اپنا آپ عجیب سا لگنے لگا تھا۔ اسے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ بھی بالکل ایک عام سا مرد ہے، ایسی عورت کے پیچھے بھاگنے والا جو اسے آسانی سے دستیاب نہیں۔ اس سے بات کرنے اور اس کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے گھٹیا طریقوں پر عمل پیرا ہونے لگا ہے لیکن اسے اپنی یہ عامیانہ حرکتیں مزے دار لگ رہی تھیں۔ آج تک اسے کسی لڑکی کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی تھی، وہ پہلی بار اس عمل سے گزر رہا تھا اور لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ اب تک دروازے میں ہی کھڑا تھا۔ مریم کسی بھی وقت آجاتی۔ اور وہی ہوا، کچھ ہی دیر میں دروازے کی کنڈی بجی۔ یہ اسے متوجہ کرنے کی کوشش تھی، اس نے جھٹ سے گلا کھنکارا۔

"یہ لیں چائے۔" وہی خوب صورت سا ہاتھ اس کے سامنے آیا چائے سے زیادہ اس کی توجہ دکھائی انگلیوں پر تھی۔ چائے تھام کر وہ کچھ دیر یونہی مسحور سا کھڑا رہا۔ پھر گاڑی میں آبیٹھا۔ جب اس نے مریم کی آواز سنی تھی تب سے اس کی تمام تر توجہ صرف اسی پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ مریم کو کیوں سوچتا ہے؟ اسے دیکھنے میں کیوں دلچسپی ہے؟ ان سارے سوالوں کا جواب بس یہ تھا کہ وہ متجسس ہے۔ اسے دیکھ کر تجسس ختم ہو جائے گا۔ اسے خوب صورتی پسند ہے اور اسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ کرنے کی خواہش ہے اس کی۔

موحد کی سوچ بس یہیں تک تھی۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کی چھوٹی بہن کا اسکارف پڑا تھا۔

"ایک تو یہ لڑکی...... جب اسکارف استعمال نہیں کرنا تو خریدتی کیوں ہے؟ اور اگر خرید ہی لیا ہے تو جگہ جگہ بھول کر چلی جاتی ہے۔" اس نے چڑ کر سوچا اور سیٹ سے اٹھا کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ ایک گھنٹے سے بھی زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ مریم کی کوئی خبر نہیں تھی۔ چائے کے خالی کپ میں بچی ذرا سی چائے پیالی کے پیندے سے سوکھ کر چپک گئی تھی۔ وہ تھک کر گاڑی سے نکلا اور ایک بار پھر دروازہ بجایا۔

"مجھے مزید آدھا گھنٹا چاہیے۔ ابھی سوپ نہیں بنا۔" اس کی شرمندہ سی آواز ابھری۔

"میں تو کپ دینے آیا تھا۔" موحد نے فوراً ہی کہا، دروازہ ہلکا سا کھلا گیلا ہاتھ باہر آیا، ہاتھ سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اور انگلیاں سرخ ہو رہی تھیں۔ موحد نے مشکل سے نگاہ ہٹائی۔ اور فوراً ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ جس شدت سے اس کے دل نے اس ہاتھ کو چھونے کی خواہش کی تھی وہ خوف زدہ ہی ہو گیا۔ کم از کم وہ زبیر اور مریم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسی بے شرمی اور بے حیائی نہیں دکھا سکتا تھا، لیکن اس دل کا کیا کرتا جو کسی کم عمر عاشقوں والی حرکتیں کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ خود سے بے زار ہو گیا۔ کچھ دیر پہلی والی کیفیت یکسر بدل چکی تھی اب اس پر جھنجلاہٹ سوار تھی۔ خود سے لڑتے وقت گزارا۔ مریم بڑی سی باسکٹ اٹھائے اس کی جانب آرہی تھی۔ اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا۔ مریم گڑبڑا گئی۔

"میں پیچھے بیٹھوں گی۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"اگر آپ پیچھے بیٹھیں گی تو لوگ مجھے آپ کا ڈرائیور سمجھیں گے۔ اس لیے مہربانی فرما کر آگے آجائیں۔" وہ شرافت سے نگاہیں جھکائے بولا۔ مریم شش و پنج میں تھی۔ اتنا کہہ کر موحد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ بس میں سفر کر رہی ہیں۔

پھر آپ کو اتنا سوچنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔'' موحد نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ مریم اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''آپ نے تو بیچ میں ہی اسے بس سمجھ لیا، سامان مجھے دیں میں اسے پیچھے رکھ دوں۔'' مریم شرمندہ ہوگئی اور باسکٹ اسے تھمادی، جو کہ اس نے گود میں رکھی ہوئی تھی۔ دو منٹ بعد گاڑی چلنا شروع ہوئی۔ مریم کے لیے کسی اجنبی کے ساتھ گاڑی کا سفر کرنا پہلا تجربہ تھا۔ وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔ ان کے محلے کے لوگ کافی آزاد خیال تھے، لیکن وہ نہیں تھی۔ اس نے ہمیشہ ہی اس طرح کے سفر کو معیوب سمجھا تھا۔ اسے عجیب سی پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ روڈ پر گاڑی ڈالتے ہی گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی۔ موحد نے اسے مخاطب کیا۔

''بس پندرہ منٹ میں ہی ہم ہسپتال پہنچ جائیں گے۔'' اس نے جیسے مریم کو تسلی دی تھی۔ اسی ایک لمحے میں نجانے کیا ہوا تھا، موحد کی توجہ محض دو سیکنڈ کے لیے ڈرائیونگ سے بھٹک کر مریم کی طرف ہوئی تھی اسی ایک لمحے میں سامنے سے آنے والی گاڑی ان سے ٹکرا جاتی اگر موحد مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی کا رخ نہ موڑتا۔ اس کے پیچھے اسی طرح بے ہنگم انداز میں انتہائی تیز رفتاری سے ایک اور کار گزری۔ یقیناً دونوں گاڑیوں کے درمیان مقابلہ تھا، موحد نے دل ہی دل میں ان دونوں ڈرائیورز کو گالیاں دیں۔ گاڑی روڈ سے سائڈ پر آچکی تھی۔

''آپ کے پاس پانی کی بوتل ہے؟'' مریم کی مدھم سی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا، وہ ناک پر ہاتھ رکھے بول رہی تھی۔

''آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔ مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ سخت مضطرب تھی۔ اس نے اسکارف کے اوپر سے ناک پر رکھا ہاتھ ہٹا کر اس کے سامنے کیا۔

''ٹکرانے کی وجہ سے میری نکسیر پھوٹ گئی ہے۔ پانی ہے تو دیدیں پلیز۔'' موحد نے فوراً ہی پانی کی بوتل اس سے تھمائی۔

''آپ دو منٹ کے لیے گاڑی سے اتریں گے؟'' وہ سمجھ گیا اور فوراً گاڑی سے اتر آیا۔ مریم اب دوسری طرف سے گاڑی کا دروازہ کھولے جھکی ہوئی تھی۔ موحد نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ اسے نہیں دیکھے گا۔ لیکن خود پر وہ ضبط نہ کرسکا اور ہلکا سا رخ موڑ کر دیکھنے لگا۔ اس کا اسکارف سر سے اترا ہوا تھا۔ لمبے بالوں کی چوٹی پشت پر لہرا رہی تھی، اور پانی وہ سر پر ڈالنے میں مصروف تھی۔ پانی کی بوتل ٹھنڈی تھی سو جلد ہی خون رک گیا۔

''مریم! آپ کا اسکارف خراب ہوگیا ہوگا، ڈیش بورڈ پر میری بہن کا اسکارف موجود ہے آپ اسے استعمال کریں۔'' موحد کے کہنے پر اس نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا۔ خون آنا بند نہیں ہوا تھا لیکن اب پہلے کی طرح تیزی سے بہہ بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر رکھے ٹشو بکس میں سے ٹشو اٹھائے، اور اسکارف بھی۔ وہ موحد سے بے خبر تھی۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھ کر پتھر کا ہو چکا ہے۔ مریم نے جلدی سے نقاب کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ البتہ نقاب اس طرح کیا تھا کہ وہ آرام سے ناک پر ٹشو رکھ سکے۔ موحد بے جان سا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے ڈراپ کر کے زبیر کے ساتھ کچھ وقت گزار کے وہ جلدی وہاں سے نکل آیا۔ مریم اس وقت ڈاکٹر کے پاس اپنا چیک اپ کروا رہی تھی۔ موحد کے لیے آج کا دن بے حد بھاری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا مذاق بھی ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی۔ وہ کمرے میں لیٹا سوچوں میں الجھا تھا۔ زبیر کے سامان سے جو تصویر برآمد ہوئی تھی، اسے وہ اب تک زبیر کی محبوبہ سمجھتا آرہا تھا۔ مگر وہ اس کی بہن تھی۔ یہی وہ لڑکی تھی جس کی تصویر دیکھ کر اسے زبیر کی پسند پر شدید افسوس ہو رہا تھا۔ اور اب۔۔۔ اب وہ خود اسی لڑکی کو دیکھنے، اس سے بات کرنے کے لیے سو سو بہانے تلاش کرتا آرہا تھا۔

اسے اپنا حقارت آمیز رویہ یاد آیا جو اس نے اپنی فرینڈ کم گرل فرینڈ کے سامنے اپنایا تھا۔ پہلی بار تصویر دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ اگر کبھی وہ لڑکی اسے دکھائی دے گی تو وہ ایک نظر بھی بمشکل ہی اس پر ڈالے گا، اور نگاہ پھیر کر شکر کا سانس لے گا، مگر جب سے اسے دیکھا تھا، اس کے دماغ سے مریم کی شبیہہ چپک گئی تھی۔ وہ سخت پریشانی محسوس کر رہا تھا۔ دھیان بٹانے کو اس نے کیا کچھ نہیں کیا۔ فرینڈز کو فون کالز، موویز اور جب ان میں بھی جی نہ لگا تو گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر آ گیا۔ ٹھنڈی ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔ اس نے سنسان سڑک پر گاڑی روکی۔ اور تھک کر سر اسٹیرنگ سے ٹکا دیا۔

''اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے میں اتنے دن سے زبیر کے گھر چکر لگا رہا تھا؟ میرا دماغ خراب ہو گیا تھا کیا؟'' وہ بڑبڑایا۔ اس کی کھنکتی آواز، وہ ہاتھ، پیر، اس کے لمبے بال اور حسین سراپا۔ کیا یہ اسی لڑکی کے ہیں؟ تو پھر چہرہ؟ اس چہرے میں کوئی ایک بھی نقش غیر معمولی نہیں۔ بالکل عام سی ہے وہ۔ میں اس لڑکی کو اتنے دن سے سر پر سوار کیے گھوم رہا تھا؟ اسے کس بات پر غصہ تھا؟ مریم کی عام شکل پر، اپنی بے چینی پر، یا جس لڑکی کے چہرے کا وہ تمسخر اڑا تا رہا تھا، اسی لڑکی کے لیے تگ و دو کرنے اور اس کے گھر کے چکر کاٹنے پر؟ موحد کے بڑے بول اس کے سامنے آ رہے تھے۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا۔ رات دیر تک وہ سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ تھک ہار کر گھر واپس آیا جہاں عفان پہلے سے ہی اس کے کمرے میں موجود تھا۔ موحد اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

''خیریت ہے؟ آپ اس وقت جاگ رہے ہیں۔ سب ٹھیک تو ہیں نا؟'' اسے ایک دم تشویش ہوئی۔

''ہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ تم پریشان نظر آ رہے ہو کیا بات ہے؟'' عفان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بس...... زبیر کی وجہ سے پریشان ہوں، کلاسسز شروع ہونے والی ہیں اور وہ ہسپتال کے بستر پر ہے۔ گھر کی کفیل اس کی بڑی بہن ہے۔ نجانے اس وقت پیسوں کا انتظام کیسے کیا ہو گا۔ جو بات اس نے سوچی بھی نہیں تھی وہ اس کے منہ سے پھسل گئی، اور بول کر وہ خود بھی چونک گیا۔

''تمہیں مجھ سے ذکر کرنا چاہیے تھا۔ میں کل چلوں گا ہسپتال۔ اس سے مل بھی لوں گا اور ہسپتال کے بلز بھی دے دوں گا۔ اچھا مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔'' عفان موضوع کی جانب آیا۔ موحد جو آتے ساتھ بستر پر ڈھے گیا تھا، اٹھ بیٹھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یقیناً اس کی ممی سے متعلق ہی کوئی بات ہو گی۔

''جی کیا بات؟'' اس نے پوچھا۔ عفان نے فون نکالا اور کچھ بٹن دبائے کچھ ہی سیکنڈز بعد اس کی ممی کی آواز گونجنے لگی، یہ ایک فون کال تھی جو آج انہوں نے عفان کو کی تھی۔ وہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا شرمندگی کی گہرائیوں میں اترتا جاتا تھا۔ آخر میں اس نے سر پکڑ لیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر ممی کو آپ لوگوں سے مسئلہ کیا ہے۔ وہ کیوں کر رہی ہیں یہ سب۔'' موحد سخت غصے میں آ گیا تھا۔ عفان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''فون کال سنانے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم ان کے بارے میں مزید غلط رائے قائم کرو۔ میں صرف اس وجہ سے ہی تمہیں یہاں نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔ وہ مجھے کچھ بھی کہیں لیکن اب دادی ماں ان کی باتیں برداشت کرنے کی سکت کھو چکی ہیں۔ وہ یہ سب سن لیں تو سوچو ان کے دل پر کیا گزرے؟ میں نہیں چاہتا کہ وہ اسی طرح کی کال دوبارہ سے دادی کو کریں۔ ایک بار کا نتیجہ دیکھ چکے ہو تم۔'' موحد کچھ بول نہیں سکا۔ محض سر ہلا دیا۔ عفان کچھ دیر مزید بیٹھا اور پھر شب بخیر کہہ کر چلا گیا۔ وہ بستر پر ڈھے گیا۔ آنکھیں موندیں تو مریم کا بھیگا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ آنکھیں کھولیں تو اس کی ممی جان کی چیختی چنگھاڑتی آواز اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا مصیبت ہے بھلا؟" وہ جھنجلا گیا تھا۔

پچھلی بار بھی ساری بات اس کے علم میں نہیں آئی تھی لیکن اب فون کال سن کر اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے دادی سے کیا کیا کہا ہوگا۔ اس نے سائڈ پر پڑا فون اٹھایا اور پاپا کا نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر ہی فون اٹھالیا۔

"کیسے ہو موحد؟ خیریت ہے نا؟ اس وقت فون کیا؟" اس کے پاپا کی پریشان آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

"نہیں بالکل خیریت نہیں ہے۔ ممی سے بات کروایئے میری۔" اس نے سخت انداز میں کہا۔ کچھ ہی دیر میں ان کی آواز آئی۔

"ممی آپ آخر چاہتی کیا ہیں؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ اس قسم کی باتیں کریں گی تو میں دادی اور عفان سے دور ہو جاؤں گا؟ ان سے جائیداد واپس لے کر آپ کے چرنوں میں بیٹھ جاؤں گا؟ ایک بات تو آپ یاد رکھیے گا، کل میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں صرف اس لیے کہ میری ماں کی وجہ سے میری دادی کو تکلیف نہ ہو۔ دوسری بات اب آپ کو ڈھونڈنے سے بھی میرا پتا نہیں ملے گا۔ اور اگر آپ نے دوبارہ عفان یا دادی سے غلط لہجے میں بات کی تو میں قسم کھاتا ہوں، اب تک پاپا نے جو کچھ میرے نام کیا ہے وہ میں سب کا سب عفان کے نام کردوں گا۔ پھر بیٹھ کر انہیں کوستی رہیے گا۔" اتنا کہہ کر اس نے ـــــ ریسور پٹخ کر فون بند کردیا۔ اور سر کو دونوں انگلیوں سے دبانے لگا۔ اس وقت اس کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ ناشتے کے بعد عفان کے ساتھ ہسپتال آگیا جہاں زبیر اکیلا تھا۔ اطہر کو دو دن پہلے ہی چھٹی دے دی تھی لیکن وہ بھی ابھی بیڈ ریسٹ پر تھا۔ عفان زبیر سے ملنے کے بعد آفس چلا گیا۔ اس نے نیا نیا کام شروع کیا تھا، زیادہ وقت وہیں گزارتا۔ زلیخا زبیر کے پاس ہی تھیں لیکن بے حد تھکی ہوئی اور نڈھال لگ رہی تھیں۔ البتہ مریم غیر موجود تھی۔ اس کا نہ ہونا موحد کو بہت محسوس ہوا۔ ڈاکٹر سے بات کرنے پر اسے بتایا گیا کہ آج زبیر ڈسچارج ہو جائے گا۔ یہ خوش خبری اس نے زلیخا کو سنائی وہ وہیں شکر بجالانے لگیں۔ شام کو وہ زبیر کو لے کر گھر آ گئے۔ اس وقت بھی اسے مریم کی جھلک سے محروم رہنا پڑا۔ موحد کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں اس جیسی عام شکل کی لڑکی کو دیکھنے کے لیے خود کو بے چین و بے قرار پا رہا ہے؟ زبیر چل پھر سکتا تھا، مگر کمزوری بہت زیادہ تھی۔ ایکسیڈنٹ کے بعد اس کا خون کافی بہا تھا۔ انہیں گھر ڈراپ کر کے وہ جانے لگا تو زلیخا نے اسے روک لیا۔

"بہت شکریہ بیٹا، اس مشکل گھڑی میں تم نے ہمیں بہت سہارا دیا ہے۔" زلیخا کا لب و لہجہ ہی بدل گیا تھا۔ ان کے لہجے میں نرمی اور انکساری در آئی تھی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

"آنٹی آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" وہ سچ مچ اس سوچ میں مبتلا تھا کہ آیا اس نے ایسا کیا کام کیا ہے جو وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی ہیں؟ کچھ دیر مزید باتیں کر کے وہ پھر سے رخصت لینے لگا تو انہوں نے اسے کھانے کے لیے روک لیا۔ کچھ ہی دیر بعد زلیخا چائے لے آئی تھیں۔

"آنٹی مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔ یہاں قریب میں کوئی ایسا گھر ہے جو کرائے کے لیے دستیاب ہو اور اس کی کنڈیشن بھی اچھی ہو۔" موحد نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہمارا اوپر کا پورشن خالی ہے۔ کسے مکان چاہیے؟" یہ جملہ سن کر اسے یوں لگا جیسے اس کی لاٹری نکل آئی ہو۔ اندر تک جیسے خوشی اتر گئی۔

"اصل میں مجھے رہائش کے لیے مکان کی تلاش ہے۔" موحد کی بات سن کر زلیخا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔" وہ بولنا شروع ہوا، اپنے اور اپنی ممی کے درمیان ہونے والے اختلافات کو لپیٹ لپیٹ کر بیان کر دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا، تم اپنا سامان لے آؤ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ویسے بھی زبیر کے بہت سارے دن

ریسٹ میں گزریں گے تم ساتھ ہو گے تو وہ اچھا محسوس کرے گا۔'' موحد کے اردگرد پھول مہکنے لگے تھے۔

☆☆☆

مریم کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ فون ہاتھ میں پکڑے وہ سخت مضطرب تھی، جب زلیخا اس کے کمرے میں آئیں۔ زبیر کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بعد سے ان کا رویہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ زبیر آخری پیپر کے بعد گھر واپس آ رہا تھا کہ اسے اطہر کی کال آئی تھی۔ اس کے پیر میں موچ آجانے کے باعث وہ بائیک نہیں چلا پا رہا تھا، اس نے زبیر سے ریکوسٹ کی تھی کہ وہ اس کے آفس آکر اسے لے جائے۔ یونی سے اس کا آفس دس منٹ کی واک پر تھا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے آفس چلا آیا، واپسی پر ایک تیز رفتار گاڑی کے ساتھ ان کی بائیک سے ٹکرائی۔ دونوں معجزاتی طور پر زندہ تھے اور بہتر حالت میں تھے ورنہ ایسے روڈ پر ایکسیڈنٹ ہوجانے کے بعد ہاتھوں پیروں کا سلامت رہنا معجزہ تھا۔ اس واقعے کے بعد زلیخا کو عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ مریم کے ساتھ ان کا رویہ خود بخود بہتر ہو گیا۔

انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''تم سے ایک بات کرنی تھی۔ موحد کہہ رہا تھا کہ اسے رہائش کے لیے مکان چاہیے۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ وہ اوپری حصے میں رہ سکتا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''لیکن انہیں مکان کی ضرورت کیوں آ گئی؟ وہ تو اپنی دادی کے ساتھ رہتے ہیں۔'' مریم نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں وہ ان کے پاس شفٹ ہوا تھا۔ مگر اب الگ رہنا چاہتا ہے۔'' اور جتنی تفصیل موحد نے بتائی تھی، وہ اسے سنا دی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ بس اتنا ہی بول پائی۔

''کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟'' انہوں نے دوبارہ پوچھا

''میں نے اسکول سے جو چھٹیاں لی تھیں، اسکول ایڈمن نے ان چھٹیوں کی ڈبل سیلری کاٹ لی۔ اسی بات پر میرا جھگڑا ہو گیا ان سے۔ پورے محلے میں ایک ہی اسکول تھا جہاں اچھی سیلری دی جاتی تھی۔ اب میں کیا کروں گی۔'' وہ سخت پریشان تھی۔ زلیخا بھی پریشان ہو گئیں۔

''تم نے کیا اسکول کو خیرباد کہہ دیا ہے؟'' مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اب اگر میں اسکول جاتی ہوں تو بھی میرے سارے فری پیریڈز کو انگیج کر دیں گے۔ کام کروا کروا کر بھرتا بنا دیں گے اور سیلری کاٹنے کے بہانے الگ۔'' اس نے سر پکڑ لیا۔

''اوپر سے کمیٹی دینے کا بھی وقت آ گیا ہے۔''

مریم گھر کی واحد کفیل تھی، زبیر کے علاج پر ساری جمع پونجی اور کمیٹی کی رقم خرچ ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے صحت افزا غذاؤں کی ایک لمبی لسٹ پکڑا رکھی تھی، اور دوائیں الگ۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ پریشان چہرہ لیے۔

☆☆☆

اگلے روز موحد سامان سمیت ان کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اس کی دادی بھی تھیں۔ شام کا وقت تھا اور وہ بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھی۔ سامنے چارپائی پر زبیر لیٹا تھا۔ اس کے قریب پھلوں سے بھری پلیٹ رکھی تھی جو مریم وقتاً فوقتاً زبردستی اسے کھانے پر مجبور کرتی۔ جہاں آرا اس کی مصروفیت دیکھ کر مسکرائیں۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، کچن سے کھانے کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ پورا گھر مہک رہا تھا۔ ان سے مل کر وہ انہیں اندر لے آئی۔ زلیخا کو ان کے پاس بٹھا کر اس نے فوراً ہی چائے چڑھا دی۔ اور زبیر کو بیٹھک میں بھیج دیا جہاں موحد موجود تھا۔ سات بجنے والے تھے۔ اس نے بچوں کو پندرہ منٹ پہلے ہی چھٹی دے دی اور چائے بنانے لگی۔ کھانے کا وقت بھی ہونے والا تھا تو خالی چائے ہی پیش کر دی۔ زبیر خود آکر چائے لے گیا تھا۔

''میں جب گھر میں داخل ہوئی تو اپنا زمانہ یاد آ گیا۔ جب مغرب ہوتے ہی گھر میں کھانا تیار ہونے لگتا تھا، اور پورا گھر خوشبوؤں سے مہک رہا ہوتا

تھا۔" انہوں نے مریم کو دیکھ کر کہا، وہ مسکرائی۔

"پورا گھر اسی نے سنبھال رکھا ہے۔ کھانے پینے سے صاف ستھرائی، کمانے سے لے کر ہر چیز اسی کی مرہون منت ہے۔" مریم نے حیرت سے زلیخا کو دیکھا جنہوں نے پہلی بار اس بات کا احساس کیا تھا۔ نہ صرف احساس بلکہ اعتراف بھی۔ وہ زبیر کی خیریت معلوم کرنے آئی تھیں۔ پھلوں سے بھرے شاپرز باہر کچن میں رکھے تھے۔ مریم نے انہیں اٹھا کر فریج میں رکھا۔ ان کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر وہ پھر سے باہر آ گئی جہاں زبیر چائے کے کپ سنک میں رکھ رہا تھا۔

"کچھ چاہیے؟" مریم نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر پوچھا۔ زبیر ہلکا سا مسکرایا۔

"نہیں، البتہ ایک فرمائش ہے۔"

"ہاں بولو نا۔"

"جب پہلی بار موحد ہمارے گھر آیا تھا، اس وقت تم نے جو کباب بنائے تھے آج بھی وہی بنا دو۔ موحد کی فرمائش ہے۔" زبیر کی بات سن کر مریم نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"فرمائش؟ یہ کیا بات ہوئی۔" اسے برا لگ گیا۔

"اس میں برا منانے والی کیا بات ہے؟ اسے کباب بہت پسند ہیں، اس دن بھی بہت تعریف کر رہا تھا۔" زبیر نے پھر سے کہا۔

"بنا دوں گی۔ تم جاؤ جا کر اندر بیٹھو۔ اتنی اتنی دیر کھڑے مت رہو۔" اس نے زبیر کو باہر جانے کی طرف اشارہ کیا اور کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ بہت پریشان تھی کہ اب آگے وہ کیا کرے گی؟ اتنی بدلحاظی، وہ پچھلے کئی سالوں سے وہاں پڑھا رہی تھی۔ ہمیشہ اپنا بیسٹ دینے کی کوشش کی تھی۔ اور اب جب اسے سپورٹ کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اب اس جگہ دوبارہ کبھی کام نہیں کرے گی۔ کھانا بنا کر وہ بری طرح تھک گئی تھی، تھکن سے زیادہ ٹینشن تھی جو اس پر سوار تھی بے قدری کا احساس بہت برا ہوتا ہے اس وقت وہ بھی انہی کیفیات سے گزر رہی تھی۔ زلیخا نے اسے کہا کہ "وہ اندر جا کر جہاں آراء کو کمپنی دے وہ کھانا لگا دیں گی۔" مریم اس قدر تھک گئی تھی کہ اس نے رسماً بھی انکار نہیں کیا۔

"بہت تھک گئی ہو؟" وہ ابھی سامنے آ کر بیٹھی ہی تھی کہ جہاں آراء نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ وہ صرف مسکرائی۔

"کس اسکول میں پڑھاتی ہو؟" انہوں نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

"پہلے پڑھاتی تھی۔ اب کسی نئی جگہ کوشش کروں گی۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"میرا پڑپوتا جس اسکول میں پڑھتا ہے تم وہاں سی وی دے دو انہیں تو اچھے اساتذہ کی ضرورت ہے۔" ان کی تجویز پر وہ کھل اٹھی۔

"بلکہ ایک کام کرو، کل میرے ساتھ ہی چلو۔ بہت اچھا اسکول ہے۔" مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں زبیر کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی لیکن مجھے ایک اور کام بھی تھا تم سے۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"زبیر کی زبانی مجھے علم ہوا تھا کہ تم ٹیچنگ کرتی ہو، میرے شہریار کے لیے بھی مجھے ایک ٹیوٹر چاہیے۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی مگر طبیعت کی ناسازی کے باعث نہ آ سکی نہ ہی بات کر سکی۔ اس سے تو تم مل ہی چکی ہو۔ بہت اچھا بچہ ہے۔ بالکل پریشان نہیں کرے گا۔" انہوں نے تعریفیں شروع کر دیں، مریم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ٹھیک ہے آپ اسے بھیج دیا کیجیے گا۔ ابھی وہ مزید بھی کچھ کہتیں کہ زلیخا آ گئیں۔ وہ دوسرے کمرے میں سب کے لیے کھانا لگا چکی تھیں۔ جہاں زبیر، موحد، جہاں آراء اور زلیخا تھیں۔

"مریم اکیلی کھا رہی ہو گی۔ اچھا نہیں لگتا اس طرح۔ میں اسی کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔" انہوں نے کہا۔

اسے عادت ہے اکیلے کھانا کھانے کی۔ ہم گھر میں تین ہی تو لوگ ہیں۔ مختلف روٹین ہے سو کھانے کے وقت بھی کبھار ہی ساتھ ہوتے ہیں۔ آپ آرام سے بیٹھ جائیں اور بسم اللہ کیجیے۔" یہ زبیر تھا۔ وہ بیٹھ

گئیں۔ کھانا بہت سادہ اور لذیذ تھا۔ دیر تلک جہاں آراء تعریفیں کرتی رہیں۔ موحد واش روم جانے کا بہانہ بنا کر کمرے سے نکلا کہ کیا خبر وہ باہر ہو، ابھی اس نے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ لائٹ چلی گئی۔

اوہ۔۔ سب کے منہ سے بے اختیار ہی ادا ہوا۔ مریم کچن میں تھی اس نے گیس لائٹ آن کی۔ وہ فوراً ہی اس جانب ہو گیا جہاں روشنی نہیں تھی مگر مریم اسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ بے فکری سے گلے میں لٹکا دوپٹا، تیزی سے کام کرتے ہاتھ اور چہرے پر بکھری لٹیں۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کوئی منظر اس کے لیے دلفریبی کا باعث بھی ہوگا۔ مگر اب تو سب کچھ بدل چکا تھا، اس کی پسند بھی اور خواہشات بھی، جس کا مکمل ادراک اسے اب تک نہیں ہوا تھا۔ کھٹکے پر وہ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔ موحد کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ صوفے پر ڈھے سا گیا، اور آنکھیں موند لیں۔ مریم کی شبیہہ نگاہوں میں جھلملانے لگی۔

''یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟ میں کیوں یہ سب کر رہا ہوں؟'' وہ سخت مضطرب تھا۔ بہت زیادہ پریشان۔ رات کے تقریباً نو بجے وہ دادی کو لے کر واپس آ گیا۔

''کتنا بہترین طریقہ کار ہے اس بچی کا۔ خاطر تواضع سے لے کر کمپنی دینے میں مجال ہے کوئی کسر چھوڑی ہو۔ اب دیکھو دو گھنٹوں میں اتنا لذیذ کھانا بھی کھلا دیا۔ باتیں بھی ہو گئیں اور ہم وقت پر گھر بھی پہنچ آ گئے۔ اللہ اس بچی کے نصیب اچھے کرے۔ موحد کل تم اسے لے کر یہاں آ جانا پھر میں اسے شہریار کے اسکول لے جاؤں گی۔'' وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا۔ اور سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھنے لگا۔ جواب میں دادی نے تفصیل بتائی۔ ''میں نے اسے کہہ دیا کہ کل میرے ساتھ اس اسکول چلے۔ شہریار کی ٹیچر کی شادی ہونے والی ہے اچھا ہے مریم اس کی جگہ لے لے۔ ہمارا شہریار بھی یقیناً مریم کے ساتھ خوشی محسوس کرنے گا'' انہوں نے ساری تفصیل بتائی۔ موحد مسکرایا۔

ملاقات کا ایک اور بہانہ مل گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر جہاں آراء۔ کو ان کے کمرے تک چھوڑ کر واپس آ گیا۔ زلیخا اسے سارے رولز وغیرہ سمجھا چکی تھیں اور باہر کی طرف سے اوپر جانے والے راستے کا بھی بتا دیا تھا۔ وہ اوپر آیا اور زبیر کو فون کر کے بتا دیا کہ وہ پہنچ چکا ہے۔ زبیر کو دادی کا پیغام بھی دے دیا۔ اگلی صبح نو بجے موحد مریم کو لیے عفان کے گھر آیا۔ پورا رستہ وہ بالکل خاموش رہی۔ مجال ہے جو سلام کے جواب کے علاوہ اس نے کچھ کہا ہو۔ جہاں آراء کے آتے ہی دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ مگر مریم کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ دونوں پچھلی سیٹ پر تھیں جبکہ آگے شہریار موجود تھا۔ آج ہفتے کا دن تھا بچوں کا اسکول سے آف لیکن ٹیچرز کا ورکنگ ڈے تھا۔ اسکول میں ڈیڑھ گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگ گیا۔ مریم کو اپائنٹ کر لیا تھا اور سیلری کا سن کر اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ وہیں سجدہ شکر بجا لائے۔ جہاں آراء اس کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔ اس پر چھائی مردنی غائب ہو گئی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ مریم کے چہرہ ڈھانپ کے رکھنے پر بھی انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا البتہ یہ ضرور تھا جب وہ بچوں کے پاس ہوگی تو نقاب اتارے گی۔ اس بات پر بھلا اسے کیا اعتراض ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے بچے تو بجی سنوری ٹیچرز کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے ہیں اور ایک فائدہ مند بات یہ بھی تھی کہ اسکول میں چوکیدار اور پیون کو چھوڑ کر سارا عملہ خواتین پر مشتمل تھا۔ لیکن اسکول اس کے گھر سے کافی دور تھا تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیو پر۔ اس کا حل بھی جہاں آراء کے پاس تھا مگر مریم کو وہ بالکل بھی مناسب نہیں لگا۔ وہ روزانہ کی بنیاد پر موحد کے ساتھ اس کی گاڑی میں اسکول آنے جانے کے حق میں بالکل نہیں تھی۔ اور اس نے جہاں آراء کو صاف منع کر دیا تھا۔

☆☆☆

اس کی نئی روٹین شروع ہو گئی تھی۔ گھر کے حالات بہتری کی طرف گامزن تھے۔ زبیر اب بالکل

digest library.com

صحت یاب تھا اور یونی ورسٹی جانا شروع کر چکا تھا۔
موحد نے اسے عفان کے آفس میں ہی پارٹ ٹائم جاب دلوا دی تھی۔ یونی ورسٹی سے وہ آفس چلا جاتا اور واپسی میں وہ دونوں ساتھ ہی گھر آتے۔ اکثر جہاں آراء موحد سے ملنے کے لیے بھی آجایا کرتیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ایک شام تھی جب جہاں آراء عفان کے ہمراہ ان کے گھر آئیں۔ شہریار پڑھنے میں مصروف تھا۔ وہ موحد کے پاس اوپر چلی آئیں۔ وہ بستر پر گرا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ جہاں آراء کو دیکھ کر اٹھ گیا۔

''السلام علیکم دادی۔ کیسی ہیں آپ؟ ان سے ملتے ہوئے وہ خوش گواری سے بولا۔

''وعلیکم السلام۔ میرا بچہ کیسا ہے؟'' انہوں نے موحد کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہ انہیں ساتھ لگائے صوفے پر آبیٹھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ بتائیں کیا پئیں گی؟ عفان بھائی بھی آئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں وہ نیچے بیٹھا ہے۔ مریم نے چائے پانی پلا دیا تم بیٹھے رہو میرے پاس۔ تم سے کچھ بات کرنی ہے مجھے۔'' انہوں نے موحد کا ہاتھ تھاما۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اب واپس گھر جاؤ۔ یہ بے وجہ کی گھر بدری کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔'' موحد نے بے اختیار ان کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

''میں کسی صورت اس گھر میں نہیں جاؤں گا۔

'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

یہ کوئی طریقہ نہیں ہے موحد۔ وہ ناراضی سے بولیں۔

''دادی۔ ممی جب تک آپ سے معافی نہیں مانگتیں، وہ آپ کو خود گھر لے کر نہیں آتیں میں اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھوں گا۔'' موحد کا لہجہ اٹل تھا۔

''آپ اس بحث کو چھوڑیے۔ یہ بتائیے کہ۔'' موحد نے ٹاپک ہی بدل دیا۔ باتوں کے دوران جہاں آراء نے اسے یہ کہا تھا کہ وہ رات کا کھانا گھر جا کر ہی کھائیں گی۔ ہفتے میں دو بار تو وہ آتی ہیں۔ اور ہر بار مریم کھانا بنا کر بھیجتی ہے۔ انہیں یہ مناسب نہیں لگتا۔

ان کی بات سن کر موحد نے کھانے کا آرڈر دے دیا۔
عفان کو ایک کال آگئی تھی جس کی وجہ سے اسے جانا پڑا۔
دونوں دادی پوتا کھانا کھا رہے تھے جبکہ شہریار نیچے مریم کے ساتھ تھا۔

''میں ایک بات سوچ رہی تھی۔ مریم بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ شہریار بھی اس کے ساتھ کھل مل گیا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔'' عفان اور مریم کا جوڑ کیسا رہے گا؟ ابھی انہوں نے بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ موحد کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔ جہاں آراء گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے اس کی پشت سہلائی۔
کچھ دیر بعد وہ نارمل ہوا۔ ''احتیاط سے کھانا کھایا کرو۔ انہوں نے ناراضی سے کہا۔ موحد سے ایک لقمہ لینا بھی دوبھر تھا۔ وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھ گیا۔

''اب کھانا تو کھالو۔'' اسے بستر کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ بولیں۔

''بس دادی کھالیا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
یکایک اس کا لہجہ انداز سب بدل گیا تھا۔ وہ بستر پر اوندھے منہ گر گیا۔ جہاں آر سب سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ انہوں نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیا بات ہے؟ کھل کر بتاؤ۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے بولیں۔ موحد نے سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں پانی بھرا تھا۔ جہاں آرا ہکا بکا رہ گئیں۔

''کیا ہو گیا بیٹا؟'' وہ گھبرا گئی تھیں۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا ہوا ہے۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''میں نے جب پہلی بار زبیر کے سامان میں مریم کی تصویر دیکھی تھی تو میں نے اس کے چہرے کا بہت مذاق اڑایا۔ اس وقت تانیہ نے مجھے بہت منع کیا کہ میں اس طرح کی بڑی بڑی باتیں نہ کروں۔ میں اس وقت یہ سمجھتا رہا کہ مریم زبیر کی پسند ہے اور مجھے اس کی پسند پر انتہائی افسوس تھا کہ وہ خود خوش شکل ہو کر ایسی معمولی لڑکی کی تصویر اپنے پاس رکھ کر گھومتا

ہے۔ مگر اس کے بعد جب میں نے سامان واپس کرنے کے لیے گھر کے نمبر پر کال ملائی تو فون مریم نے اٹھایا۔ مجھے اس کی آواز نے مسحور کر دیا۔ میں نہیں جانتا تھا، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس کی آواز سننے کے لیے میں بار بار فون کر رہا ہوں وہ یہی مریم ہے۔ جس کا چہرہ دیکھنے کے لیے میں تڑپنے لگا ہوں وہ یہی لڑکی ہے جس کا میں حقارت سے تمسخر اڑا چکا ہوں۔ اور جب میں نے پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا، میں شاک رہ گیا، لیکن میں اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پایا۔ مجھے اس کا چہرہ بالکل بھی برا نہیں لگا۔ بلکہ میں اسے دیکھنے کے لیے خود کو اور بھی بے چین محسوس کرنے لگا ہوں۔ میری انا یہ بات برداشت نہیں کر پا رہی تھی کہ میں اس لڑکی کے پیچھے خوار ہوتا یہاں اس گھر میں پڑا ہوں۔ عفان کا گھر چھوڑتے ہوئے میرے دماغ میں صرف یہی ایک گھر آیا تھا۔ میں کسی بھی لگژری فلیٹ میں رہ سکتا تھا لیکن میں نے اس گھر کو ترجیح دی۔ جب مریم کی آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے تو مجھے سکون ملتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے میں کبھی ایک بہانہ بناتا ہوں کبھی دوسرا اور ناکامی پر کسی بچے کی طرح رونے لگتا ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔" وہ بولنے پر آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔ جہاں آرا ہکا بکا اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا۔ اتوار کے دن موحد سارا دن گھر سے باہر ہوتا۔ وہ آسانی سے گھر کے اوپری حصے کی تفصیلی صفائی بھی کر لیتی تھی۔ کچھ دن پہلے ہی وہ کچھ نئے پودے لے کر آئی تھی، ان میں پھول کھلے تھے۔ پودوں کو پانی دے کر وہ چھت سے اتر آئی اور موحد کے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔ دوپٹا کمر سے باندھا اور صفائی میں جت گئی۔ پورا کمرہ کھانے کے مختلف خالی پیکٹس اور سگریٹ کے بجھے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ بیڈ پر بری حالت میں پڑی چادر اٹھا کر جھاڑی تو اس میں سے موحد کی بلیک شرٹ نکلی۔ جو کل اس نے پہن رکھی تھی۔ اس نے بے اختیار شرٹ کو ناک کے قریب کیا۔

"اُفف کتنی اچھی خوشبو ہے۔ پتا نہیں کیا نام ہوگا اس کا۔ جو بھی نام ہو ہوگی بھی مہنگی۔ کاش میرے پاس اتنے پیسے ہوں کہ میں زبیر کے لیے یہ خوشبو خریدوں" مریم نے سوچا اور شرٹ کو باسکٹ میں ڈال کر باقی کمرہ سمیٹنے لگی۔ وہ بری طرح کام میں مگن تھی۔ پورا ایک گھنٹہ لگا کر اس نے ایک کمرہ صاف کیا اور پھر تھک کر وہیں بستر پر ڈھے گئی۔ سائڈ ٹیبل پر ایک تصویر رکھی تھی جس میں وہ تینوں بہن بھائی سر جوڑے مسکرا رہے تھے۔

"میں بھی ایک ایسی ہی تصویر زبیر کے ساتھ بنواؤں گی" اور پھر اسے اپنے کمرے میں سجاؤں گی۔ مریم نے مسکراتے ہوئے بلند آواز میں خود کلامی کی اور تصویر چہرے کے سامنے سے ہٹا کر بستر سے اٹھی مگر حرکت کرنا بھول گئی۔ اس کے عین سامنے محض چند قدم کے فاصلے پر موحد کھڑا تھا۔ مریم کی طرح وہ بھی حیرت زدہ تھا۔ مریم کو یوں لگا جیسے کسی نے اس بیچ چوراہے میں چوری کرتے پکڑ لیا ہو، اس کی کیفیت اسی قسم کی تھی۔ وہ نہ اپنی جگہ سے حرکت کر پا رہی تھی اور نہ ہی اس کے منہ سے کوئی آواز نکل رہی تھی۔ موحد اس کے قریب آیا، اس کے ہاتھ سے فریم لیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا مریم نے ساری ہمت مجتمع کر کے باہر کی جانب دوڑ لگائی۔ وہ جا چکی تھی مگر اپنی خوشبو کمرے میں ہی بھول گئی۔ اس نے تکیے پر سر رکھا تو وہ اسے نم محسوس ہوا۔ مریم کے بال یقیناً گیلے تھے۔ لیٹنے سے تکیہ بھی ہلکا گیلا ہو گیا تھا۔ موحد نے تکیہ اٹھایا اور اسے ناک کے قریب لے جا کر گہری سانس بھری۔ پھر اسے بازوؤں میں بھر کر آنکھیں موند لیں۔ نجانے اس کی یہ حالت کیا رنگ دکھانے والی تھی۔ ابھی اسے لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس کا فون بجا۔ پاپا کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"السلام علیکم پاپا" ۔اس نے تکیہ سینے پر رکھا اور کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو؟" وہ بدلے نہیں تھے، لیکن

بیوی کی نگاہ سے دنیا کو دیکھنا کم کر دیا تھا۔ لہجے میں از خود انکساری در آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تکیہ گود میں آن گرا۔

"میری طبیعت آج کل ٹھیک نہیں، شاید موسم کا اثر ہے۔ تم گھر آجاؤ نا یار۔ تمہارے بغیر گھر بہت سونا لگتا ہے۔" جملہ پورا کرنے کے دوران وہ دوبار کھانسے۔

"پاپا میں اس گھر میں کیسے آؤں؟ بالفرض آج اگر میں واپسی کا سفر اختیار کر بھی لیتا ہوں تو کل کو ممی پھر کوئی نہ کوئی ایسی وجہ بنالیں گی کہ مجھے گھر چھوڑنا پڑے گا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا، اور دوبارہ گھر چھوڑنے کی وجہ کچھ دیر پہلے ہی اس کے کمرے میں تھی۔

تم ماں سے اتنے بدگمان کیوں ہو؟ وہ ساس بہو کا معاملہ ہے، یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے۔" وہ جو باپ کی خراب طبیعت کی وجہ سے اپنے دل میں نرمی محسوس کر رہا تھا، ان کی بات سن کر کھول گیا۔

"پاپا وہ ساس بہو کا معاملہ نہیں۔ وہ میری دادی کا معاملہ ہے، آپ کی ماں کا معاملہ ہے۔ آپ اتنے غیر جانبدار کیسے ہو سکتے ہیں" وہ دکھ سے بولا۔

"وہ ایک بوڑھی خاتون ہیں۔ اس عمر میں بھی انہوں نے مجھے کسی ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کیا ہے، میرا خیال رکھا ہے۔ آپ کی بیوی آپ کے سامنے آپ کی ماں سے کہے کہ وصیت بنوالیں اور آپ اس کی تائید کریں۔ جب وہ گھر سے چلی جائیں تو فون پر ان کی بے عزتی کریں اور انہیں موت کے منہ میں پہنچا دیں۔ کل کو اگر یہی سارے عمل میں اور میری بیوی آپ دونوں کے ساتھ دہرائیں تب بھی آپ یہی کہیں گے کہ یہ ساس بہو کا معاملہ ہے؟ تب میری ماں بھی یہی جملے دہرائے گی؟" وہ بولا تو بولتا چلا گیا۔

دوسری جانب بالکل خاموشی چھا گئی۔

"تم مجھے لیکچر مت دو، دادی کے حقوق کے خیال میں تم اپنے والدین کو دکھی کر رہے ہو۔ اس بات کا احساس ہے تمہیں؟" انہوں نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"پاپا میں آج کے دور کا انسان ہوں۔ جو میرے ساتھ نیکی کرے گا میں صرف اسی کے ساتھ اچھائی کروں گا۔ فرائض کے سبق آپ دونوں نے مجھے پڑھائے کب؟ سکھائے کب؟ آپ کے منہ سے میں نے ہمیشہ یہی سنا ہے کہ ماں جی اس میں ہمارا بھی حق تھا۔ کبھی یہ نہیں سنا کہ ماں جی یہ ہمارا بھی فرض ہے۔" بولتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی۔ بیٹا باپ کے مقابل آ گیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاپا بیمار ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے پاپا دادی کے ہارٹ اٹیک کے بعد سے بدلنے لگے ہیں کیونکہ ان کی تینوں اولادوں نے وہی ساری حرکتیں شروع کر دی تھیں جو آج کل بوڑھے والدین کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں۔ وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اور موحد بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے مزید پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خدا حافظ کہہ کر فون کاٹ دیا۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

☆☆☆

مریم جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں یہاں سے وہاں چکرا رہی تھی۔ بے چینی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو تھک کر بستر پر بیٹھ گئی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"مجھے کیا ضرورت تھی اس کے کمرے میں جا کر ایسی حرکت کرنے کی۔ وہ کیا سوچتا ہوگا میرے بارے میں۔؟ کہ میں کیسی لڑکی ہوں؟ جو ویسے تو پردہ دار بنتی ہے اور اب۔" اس نے سر پکڑ لیا۔

"میں کیا کروں اللہ۔ کہاں جاؤں۔" وہ رونے لگی۔ شاید کچھ تو دل کا بوجھ ہلکا ہو۔ کچھ دیر بعد بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اٹھ کر آنکھیں صاف کیں۔ اور دوپٹا اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ کر باہر آئی۔ وہ دوبارہ ایسی بے وقوفی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی زلیخا نے دروازہ کھولا۔ اطہر اور ماجدہ آئے تھے۔ اطہر کے حادثے کا

سن کر وہ اگلے ہی دن دوڑتی بھاگتی آ گئی تھیں۔ اب جب کہ وہ نارمل روٹین میں آ چکا تھا تو یہ ان کی پہلی آمد تھی۔ مریم پہلے ہی بہت تھک چکی تھی۔ مہمانوں کو دیکھ کر کچھ اور بھی تھکن بڑھ گئی۔ ماجدہ خالہ سے مل کر وہ فوراً چائے بنانے آ گئی۔ اچھی خاصی سردی تھی۔ وہ تینوں برآمدے میں دھوپ کے نیچے بیٹھ گئے۔ ہوا بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی، ابھی وہ چائے کپوں میں ڈال ہی رہی تھی کہ اطہر کچن میں آ گیا۔ مریم کے چہرے پر ناگواری ابھری۔

''میں تم سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں مریم''۔ اطہر نے اس کی پیشانی کے بل گنتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے آپ سے کوئی ضروری بات نہیں کرنی۔ اگر میرے گھر کے لوگوں کی حیا سو چکی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں بھی ان جیسی ہو جاؤں۔ انہیں شاید آپ کے ساتھ موجود رشتے اور میرے سوتیلے ہونے کے باعث آپ سے زیادہ ہمدردی ہے لیکن مجھے آپ جیسے بدنیت انسان سے کوئی سروکار نہیں۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں گھر آئے مہمان کی تذلیل نہیں کر سکتی لیکن اگر آپ دو سیکنڈ میں یہاں سے نہیں گئے تو میں ہر لحاظ بھول جاؤں گی''۔ مریم کا ضبط جواب دیتا جا رہا تھا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اطہر نے ایک دم سے کہا۔ مریم کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ اسے اس قدر شدید غصہ آیا کہ اس نے ٹرے اٹھا کر فرش پر پھینکی۔

''نکل جائیں میرے گھر سے۔ دفع ہو جائیں۔'' وہ جتنی بلند آواز سے دھاڑ سکتی تھی اتنی بلند آواز سے دھاڑی۔ وہ دونوں ان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ مریم کی آواز اور برتنوں کا گرنا موحد کی سماعتوں میں بھی اترا۔ وہ تیزی سے نیچے آیا۔ سامنے کا منظر حیران کن تھا۔

''پلیز میری بات سنو''۔ وہ لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

''کیا بات سنوں میں آپ کی؟ یہ بات سنوں کہ آپ اور میری ماں مل کر مجھے کتنی ذہنی اذیت سے دوچار کرتے تھے یا یہ سنوں کہ جب آپ نے مجھ سے دست درازی کی کوشش کہ مجھے محلے بھر میں بدنام کروایا۔ میری ماں نے سارا الزام مجھ پر دھر کر آپ کو بری الذمہ قرار دے دیا؟ صرف اس لیے کہ میں ان کے شوہر کی پہلی بیوی سے ہوں اور یہ گھر میرے نام ہے؟ اگر ان کا رویہ اب بدل گیا ہے تو کیا میں پرانی ساری باتیں بھول کر آپ کے پروپوزل کے لیے ہاں کر دوں گی؟ اگر وہ میری سگی ماں ہوتیں نا تو اس قصے کے بعد وہ آپ کو دوبارہ اس گھر میں گھسنے تک نہ دیتیں کجا کہ مجھے پھر سے پروپوز کرنے کے مواقع فراہم کرنا۔'' مریم کی آنکھوں میں نفرت کی لالی تھی۔

''بس کچھ دن اور۔۔ میں یہ گھر زبیر کے نام کر کے یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پھر آپ کا جب دل چاہے جسے چاہے یہاں بلایئے گا۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ زلیخا سے کہہ کر کمرے میں گھس گئی اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔ ماجدہ وہیں چارپائی پر ڈھے سی گئیں۔

''مریم کیا کہہ گئی ہے''؟ انہوں نے غصے سے پوچھا۔ زلیخا نے کسی مجرم کی طرح انہیں ساری بات بتائی۔ انہیں صرف یہ علم تھا کہ اطہر نے اسے پروپوز کرنے کی کوشش کی تھی یہ نہیں معلوم تھا کہ آگے کا کیا قصہ ہے۔ زلیخا کی روداد سن کر انہوں نے سر پکڑ لیا۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ وہ بن ماں باپ کی بچی جس نے باپ کے چلے جانے کے بعد تمہیں اور تمہارے بیٹے کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ دن رات محنت کرتی رہی اس کے ساتھ ایسا سلوک؟ زلیخا تمہیں خوف نہیں آتا؟'' وہ دکھی لہجے میں بول رہی تھیں۔

''میں نے اطہر کو اس لیے یہاں بھیجا تھا کہ اگر دونوں کے مزاج ملے اور مریم راضی ہو گئی تو رضامندی اور خوشی سے اس رشتے کو طے کر دیں گے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اسے پریشان کرنے کے لیے تم دونوں نے ایسے ایسے حربے آزمائے ہیں''۔ زلیخا بھی نیچے بیٹھ گئیں۔

''میری بدبختی ہے۔ جو کچھ میں نے کیا مجھے اس پر سخت افسوس ہے لیکن آج میری نیت کھوٹی نہیں

digest library.com

تھی۔ میں چاہتی تھی کہ اطہر اور مریم ایک دوسرے کی بات سن لیں۔ اسی لیے میں نے اسے مریم کے پاس بھیجا تھا۔" سیڑھیوں پر کھڑا موحد ساکت تھا۔ مریم پر کیسے کیسے حالات گزرے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ اطہر کو اتنا مارے کہ اس کا سانس رک جائے۔ وہ دبے قدموں واپس چلا گیا۔ اس نے موبائل اٹھایا۔

"ہیلو پاپا۔ میں ایک شرط پر گھر واپس آؤں گا۔ اگر آپ اور ممی میری پسند کی لڑکی سے میری شادی کرنے پر راضی ہوں گے تو میں نہ صرف گھر آؤں گا بلکہ آپ کا بزنس بھی سنبھالوں گا۔"

"کون لڑکی"؟ ان کی تحیر میں ڈوبی آواز ابھری۔

"میرے دوست کی بہن ہے مریم۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا پاپا۔ اگر ممی نے کسی بھی طریقے سے ان کی تذلیل کی یا اسٹیٹس کے فرق کو ظاہر کیا تو پھر آپ یہ سوچ لیجیے گا کہ آپ کا بیٹا مر گیا۔" موحد نے بات مکمل کی اور فون کاٹ دیا۔

"پتا نہیں ان دھمکیوں کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ مریم پہلے ہی پریشان ہے اگر ممی یہاں آئیں اور انہوں نے کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو؟ وہ تو انکار کرنے میں لحہ بھی نہیں لگائے گی۔" وہ پریشانی سے یہاں وہاں ٹہلنے لگا۔

"موحد تم اسے پروپوز کر رہے ہو؟ ایک ایسی لڑکی کو جو تم سے کسی صورت مطابقت نہیں رکھتی۔" اس کے اندر سے آواز آئی۔

"مجھے اس سے محبت ہے اور یہی سب سے بڑی مطابقت ہے۔" اس نے خود سے اظہار کیا اور وجود جیسے ہلکا پھلکا ہو کر آسمان میں اڑنے لگا۔

"میرے لیے دنیا کی حسین ترین عورت مریم ہے۔" "مریم موحد۔ اس نے مسکرا کر زیر لب کہا۔

☆☆☆

ماجدہ اور اطہر کچھ ہی دیر بعد واپس چلے گئے تھے۔ مریم کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور موحد کا نمبر ملایا۔ موحد کا نمبر کچھ دن پہلے ہی اس نے اپنے فون میں سیو کیا تھا۔ دوسری بیل پر ہی کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔ میں مریم بات کر رہی ہوں؟" اس نے اپنا تعارف کروایا۔ دوسری جانب جیسے خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو؟" مریم سمجھی کہ شاید کال کٹ گئی۔

"جی جی فرمائیں"۔ موحد نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری کام تھا۔ لیکن آپ یہ بات خود تک محدود رکھیں گے۔"

"جی فرمائیں"۔ موحد کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس ضروری بات کا کہہ رہی ہے۔

"اصل میں، میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کسی وکیل سے ملوا دیں، کچھ ضروری امور نمٹانے ہیں"۔ وہ یقیناً اس بات سے ناواقف تھی کہ وہ اس کی ساری باتیں سن چکا ہے۔

"جی ٹھیک ہے۔ بتائیں کس دن جانا چاہیں گی آپ"۔ موحد نے فوراً حامی بھری۔

"کل؟ اسکول سے واپسی پر میں بارہ بجے وہاں سے آف لے لوں گی آپ مجھے پک کر لیجیے گا۔" اس نے سب کچھ سوچ لیا تھا جیسے۔ موحد مسکرایا۔

اگلی صبح وہ بتائے ہوئے وقت پر پہنچ گیا۔ مریم کچھ ہی دیر میں آ گئی۔

"یہاں سے پہلے بینک جانا ہے تاکہ میں ڈاکومنٹس نکلوا سکوں"۔ اس نے آہستگی سے بتایا۔ مگر موحد بینک جانے کے بجائے گاڑی سڑک پر دوڑاتا رہا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" مریم نے سخت لہجے میں پوچھا۔ موحد نے گاڑی سائڈ پر روک دی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی مریم۔" اس کے سنجیدہ لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ مریم چونک گئی۔

"اگر میں آپ کو کل منع کر دیتا تو میں آپ سے روبرو بات کرنے کا موقع کھو دیتا، آپ پلیز تحمل سے میری بات سنیے گا۔" وہ لجاجت سے بولا، مریم کا فشار خون بڑھنے لگا۔

"جب میں نے پہلی بار آپ کی آواز فون پر سنی تو میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ میں ایک دل پھینک انسان ہوں۔ مجھے ہر خوب صورت چیز اپنی جانب کھینچ لیتی

تھی، یہی معاملہ آپ کی آواز سن کر بھی ہوا۔ میں جان بوجھ کر آپ کے گھر آیا تاکہ آپ کو دیکھ سکوں لیکن میں ناکام ہوگیا۔ پھر زبیر کے ایکسیڈنٹ کے بعد جب آپ سے میری تھوڑی بہت بات چیت ہوئی تب مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ جسے میں محض کشش سمجھ رہا ہوں وہ صرف کشش نہیں ہے۔ کچھ اور ہے۔ میرے دن رات صرف آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے گزرنے لگے۔ گھر والوں سے جھگڑ کر گھر چھوڑنے کے بعد میں کسی بھی جگہ جا کر رہائش اختیار کر سکتا تھا لیکن میرے دماغ میں صرف آپ ہی کا نام آیا۔ میں بنا سوچے سمجھے یہاں شفٹ ہوگیا اور جب دادی نے مجھ سے رائے پوچھی۔ دادی کی خواہش تھی کہ عفان اور آپ کی شادی ہوجائے، اس بارے میں جب انہوں نے مجھ سے ذکر کیا تو تب مجھے جو تکلیف ہوئی، اسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کسی نے میری گردن میں خاردار رسی لپیٹ کر کھینچ دی ہو۔'' مریم ہکا بکا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے دادی نے بہت سمجھایا کہ میں اور آپ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ میری ممی آپ کو کبھی قبول نہیں کریں گی اور اگر میری ضد کے آگے ہار مان بھی گئیں تو آپ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن... مجھے صرف آپ سے شادی کرنی ہے چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو...''

''تو؟'' مریم کی سرد آواز ابھری۔

''میں اس پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا''۔ موحد کو نجانے کیوں غصہ آگیا۔ وہ اظہار کرتے ہوئے ہانپ گیا تھا اور وہ تھی کہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مریم کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے وہی رنگ دکھائی دیے جو کبھی مریم کی تصویر دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اترے تھے۔

''اچھا؟ یہ بات ہے تو جائیں جا کر لگائیں آگ۔ میری طرف سے انکار ہی سمجھیں''۔ اس نے لمحوں میں فیصلہ سنایا۔ موحد کو لگا اس کے کانوں نے غلط سنا ہے۔

''کیا کہا؟'' اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے آپ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے پہلے سے بھی سخت لہجے میں جملہ دہرایا۔ موحد کو یہ گمان تو تھا کہ وہ اسے اس طرح گاڑی روکنے اور اظہار محبت کرنے پر بے نقط سنائے گی مگر اس طرح انکار کر دے گی یہ تو اس کے فرشتوں نے بھی نہیں سوچا تھا۔

''کیوں کیا کمی ہے مجھ میں؟'' اس نے ضبط کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے کہا۔ رجیکشن کی تکلیف کیا ہوتی ہے اور انسان کے حواس کیسے اور کس طرح سلب کرتی ہے۔ اس بات کا احساس اسے آج ہوا۔

''میری ماں بچپن میں مرگئی تھی۔ میرے باپ نے دوسری شادی کی۔ اللہ نے ہمارے گھر زبیر کو بھیجا۔ میری سوتیلی ماں کو لگا تھا کہ زبیر کے آنے کے بعد میرے ابو مجھے بھول جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے پہلے سے بھی بڑھ کر مجھے محبت دی۔ لیکن وہ چوبیس گھنٹے گھر میں نہیں رہتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میرے ساتھ زبیر کی گی اور میری سوتیلی ماں ہوتی تھی اور جب بھی ابو مجھ سے اکیلے میں امی کے رویے کے بارے میں پوچھتے، میں کبھی انہیں حقیقت نہ بتا سکی۔ کیونکہ امی کے سخت رویے ان کے ایک گھنٹے کی توجہ اور محبت پر بھاری تھے، وہ خوف ابو کی طرف سے دی جانے والی محبت اور توجہ پر غالب آجاتا تھا۔ میں نے کئی سال پہلے سوچ لیا تھا کہ میں کسی ایسے مرد سے شادی کروں گی جس کے گھر والے مجھے اپنی خواہش پر بیاہ کر لے جائیں گے۔'' اس کی اس عجیب سی لاجک پر موحد کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے۔

''تم سچ مچ ٹیچر ہی ہو نا؟'' اس نے ایسے سنجیدہ اور خوف ناک ماحول میں یہ سوال اس انداز سے پوچھا کہ مریم ہونق ہوگئی۔

''تم کہہ کیا رہی ہو؟ تم سوچ کیا رہی ہو؟ اچھی خاصی عقل مند لڑکی بھی ایسی احمقانہ باتیں سوچ سکتی ہے؟'' وہ حیرت زدہ تھا۔ مریم کو کچھ اور غصہ آیا مگر وہ بس اسے خوں خوار نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

''یہ کوئی کلیہ نہیں کہ تم اگر کسی ایسے گھر میں شادی کرو گی جہاں تمہاری ساس تمہاری واری صدقے جائیں گی تو تم وہاں جھوٹی محبتوں اور دوغلے رویے سے محفوظ رہو گی۔ ہمارے معاشرے میں اکثر شادیاں لڑکے کے والدین کی پسند سے ہوتی ہیں اور بعد میں فساد بھی اسی جانب سے شروع ہوتا ہے۔'' ابھی موحد نے تمہید باندھی ہی تھی کہ مریم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں کسی صورت یہ طعنہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تم نے میرے بیٹے کو پھانسا ہے''۔ موحد نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اسے بے اختیار شرمندگی محسوس ہوئی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری فیملی میں سے کبھی کوئی بھی انسان تم سے یہ سب نہیں کہے گا۔ اگر کسی نے ایسا کچھ کہا تو میں تمہیں لے کر الگ ہو جاؤں گا''۔ اس نے یقین دہانی کی کوشش کی۔

''ہاں تاکہ بعد میں سب کہیں کہ بیوی نے شوہر کے کان بھر بھر کے اسے ماں سے الگ کر دیا''۔

بیوی اور شوہر کا لفظ سن کر موحد کو یوں لگا جیسے کانوں میں کسی نے رس گھول دیا ہو۔ وہ اش اش کر اٹھا۔ مریم کو بھی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ مگر اب کیا کرتی کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہاری جانب سے انکار نہ ہو۔ باقی سارا کام میرا ہے۔'' موحد نے بس اتنا کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

وکیل سے بات کر کے وہ گھر واپس آئی۔ اور کمرے میں گھس گئی۔ اس کی بھوک پیاس سب اڑ چکی تھی اور کسی بھی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ موحد اچھا خاصا ہینڈسم تھا جبکہ وہ۔۔۔ پھر اسٹیٹس کا فرق وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے۔ دل تھا کہ بار بار موحد کی جانب جھک جاتا۔ وہ اپنی کیفیات سے بھی سخت عاجز آئی ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ موحد کو سوچے اور بس سوچتی رہے۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو کو آنکھیں بند کر کے محسوس کرتی

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

digest library.com

رہے۔ اور بس زندگی یونہی گزر جائے۔ ذہن میں امڈنے والے سوالات نے اسے تھکا دیا تھا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ تمہارے طبقے سے تعلق رکھنے والا مرد بھی تم سے وفا کرے گا؟ اور تمہاری موجودگی یا غیر موجودگی میں خود کو تمہاری وفا کا پابند پائے گا؟

میری جیسی عام شکل کی عورت جس کے لیے آج تک ایک پیغام نہیں آیا۔ جسے کسی نے بھی اپنی گھر کی بہو بنانے کا نہیں سوچا۔ صرف اس لئے کہ میں دودھ کی طرح گوری نہیں ورنہ کیا نقص ہے مجھ میں؟ میرا کردار، عادات، شرافت کیا کسی چیز کا مول نہیں۔ شکل کا کیا ہے وہ تو چند سالوں بعد جھریوں کے سائے میں چھپ جائے گی۔" آئینے کے سامنے کھڑی وہ خود کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو انہی سب خصوصیات کا مول موحد کے پاس ہے۔ اطہر کے پاس بھی تھا لیکن اس کی قسمت خراب تھی۔"

"میرے اور موحد کے درمیان کیا مطابقت ہے؟" اسی وقت اس کا موبائل بجا۔ اس نے فون اٹھا کر میسج چیک کیا۔ موحد کا میسج تھا۔

"میرے اور تمہارے درمیان محبت ہے اور یہی سب سے بڑی مطابقت ہے۔" میسج پڑھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ ایک آنسو لڑھک کر گال سے نیچے جا گرا۔

☆☆☆

وہاں عاصم آگ بگولا بنی تنزیلہ کو سمجھا رہے تھے۔

"تم میری بیوی ہو، میں نے ہمیشہ تمہیں ہر معاملے میں خود سے زیادہ اہمیت دی۔ آج بھی دیتا ہوں۔ تم نے میری سگی ماں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا لیکن میں نے تمہیں کبھی ڈانٹا تک نہیں۔ وہ شاید جوانی تھی جس نے میری آنکھوں کے سامنے پٹی چڑھا کر رکھ دی تھی۔ مگر اب مجھے اس بات کا احساس ہو رہا ہے ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں اور اماں ضعیف۔

میری ماں نے ہمیشہ مجھے بہت محبت دی۔ میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ بھائی جی بڑے۔ وہ سمجھ دار تھے میں نادان۔ جب تک غیر شادی شدہ رہا اماں کے سائے میں رہا۔ میں ان کی پہلی اور آخری ترجیح تھا لیکن۔۔۔ اس کے باوجود شادی کے بعد میں نے اپنی ماں کو بھلا دیا۔ سوچو جس عورت نے اپنی ساری زندگی بچوں کی پرورش اور محبت میں گزار دی اس کی اولاد ایسا صلہ دے رہی ہے تو ہمارے بچے ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ وہ ماڈرن دور کے ہیں، ایسے دور کے جہاں ماں باپ کو بوجھ سمجھ کر پھینک دینا انتہائی عام بات بن گئی ہے۔" تنزیلہ نے پہلو بدلا۔

"ہم دونوں کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ بچوں کی کمائی کے بغیر بھی جی سکتے ہیں"۔ وہ تنک کر بولیں۔

"بھائی صاحب کے پاس بھی بہت دولت تھی، صرف دو سال کے اندر وہ محل سے جھونپڑی میں آ گئے اور چل بسے۔ میرے ساتھ بھی یہی سب ہوا تو کیا کرو گی؟" انہوں نے سفاکی سے کہا۔ تنزیلہ دہل گئیں۔

"کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں آپ"۔ انہیں لگا جیسے کسی نے دل مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔

"میں مزید کتنے سال بزنس سنبھالوں گا؟ چار سال پانچ سال اور بس؟ میں ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں تھک گیا ہوں تنزیلہ۔ اب مجھ میں مزید کسی کا دل دکھانے کی سکت نہیں نہ ہی تمہارا ساتھ دینے کی"۔ ان کے لہجے سے تھکاوٹ چھلک رہی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا ہوا ہے"؟ انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔ جواباً عاصم نے موحد سے ہونے والی گفتگو ان کے گوش گزار کر دی۔ کچھ لمحے تو تنزیلہ بھی کچھ بول نہ پائیں۔

"تم خود کو بدل نہیں سکتیں میں جانتا ہوں۔ لیکن کیا تم میری خاطر خاموشی اختیار نہیں کر سکتیں؟ کیا تم موحد کی خوشی اور اپنی عزت کے لیے اس کی مرضی نہیں مان سکتیں؟" تنزیلہ نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

کچھ ہی دن بعد جہاں آراء سمیت موحد کے

والدین باقاعدہ رشتہ لے کر ان کے گھر آئے۔ جہاں آراء کچھ روز پہلے ہی زلیخا سے آکر بات کر گئی تھیں۔ اس لئے وہ ان کی آمد پر حیران پریشان نہیں ہوئیں۔ زندگی میں شاید پہلی بار مریم نے ڈھنگ کا حلیہ اپنایا تھا۔ عارفہ کے ساتھ آج بھی اس کی دوستی تھی۔ اور جب اسے علم ہوا تو وہ فوراً اس کی طرف بھاگی آئی تھی۔ اسے ساتھ لے جا کر ایک خوب صورت رنگ کا جوڑا خریدا اور میک اپ کا ضروری سامان۔

''میں یہ فضول چیزیں چہرے پر نہیں لگاؤں گی۔ ان سب کو لگانے کے بعد میں حسین نہیں ہونے والی'' ۔اس نے ناراضی سے کہا۔ عارفہ ہنسی۔

''تم بہت حسین ہو بس تم نے کبھی رگڑ کر منہ نہیں دھویا اس لیے چڑیل لگتی ہو'' ۔عارفہ نے شرارت سے کہا، مریم نے اسے تھپڑ مارا۔ وہ ہنسنے لگی۔ عارفہ ہی اسے زبردستی پارلر لے گئی جہاں فیس پالش کے بعد اس کی صاف ستھری جلد مزید چمکنے لگی۔ آئی بروز بنواتے ہوئے اس کی چیخیں عارفہ نے فون میں ریکارڈ کیں۔ یہ ساری محنت وہ اس لیے نہیں کر رہی تھی کہ موحد کے والدین متاثر ہوں بلکہ اس لیے کر رہی تھی کہ موحد کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ بھی اس کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔

جس دن وہ ان کے گھر آئے، لمبے بالوں کی اسٹائلش چوٹی اور ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ تنزیلہ تو اس کی دراز قامتی اور اسمارٹنس دیکھتی ہی رہ گئیں۔ جہاں آراء اس کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ تنزیلہ نے جب اس سے چھوٹے چھوٹے سوال کیے اور مریم جواب دینے لگی تو اس کی آواز سن کر وہ اش اش کر اٹھیں۔ ایسی لڑکی تو انہیں اپنی پوری سوسائٹی میں نہ ملتی۔

انہوں نے بہت صبر کیا مگر ان سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ وہ اتنی پرفیکٹ کیسے ہے؟۔

''میں صبح جلدی جاگتی ہوں۔ اسکول جانے سے پہلے گھر کا سارا کام کر کے جاتی ہوں۔ تین وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں اور جتنا کھاتی ہوں اتنا ہی استعمال بھی کرتی ہوں'' ۔اس نے سادگی کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے کہا۔ جہاں آراء منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تنزیلہ کو اس کا جواب اور جہاں آراء کا ہنسنا بالکل بھی برا نہیں لگا۔ اس وقت وہ مریم سے متاثر تھیں۔ اور ایسے وقت میں انہیں بھلا کیا برا لگ سکتا تھا۔ جس بات پر انہیں سب سے بڑا اعتراض تھا وہ اس کا متوسط طبقے سے تعلق رکھنا تھا مگر وہ اپنے بیٹے کی ہدایات پر عمل کرنے پر مجبور تھیں۔ جب سے وہ گھر چھوڑ کر گیا تھا اور جس قسم کی باتیں اس نے فون پر کی تھیں اور اس کے بعد شوہر کا رویہ، اس میں تبدیلی ان کی برداشت سے باہر تھی۔ دو دن تک وہ دکھ اور صدمے سے کھانا نہیں کھا پائی تھیں۔ صرف موحد گھر واپس آجائے اور عاصم صاحب کا رویہ پہلے جیسا ہو جائے اس لیے وہ فی الحال مثبت رویہ اپنائے ہوئے تھیں۔ جاتے جاتے انہوں نے مریم کے ہاتھ میں اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر پہنائی۔ اس لمحے کی کیفیت مریم کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی، کرتی بھی کیسے، اس کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔ ایک عجیب سا سرور ایک ناقابل بیان کیفیت اس پر طاری تھی۔ جیسے اسے دنیا کا سب سے بڑا خزانہ مل گیا

حساب دل رہنے دو

نبیلہ عزیز

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

digest library.com

ہو۔ عارفہ نے اس لمحے کو موبائل میں قید کیا۔ اور اس کی ڈھیر ساری تصویریں کھینچیں۔

رات کو جب وہ بستر پر لیٹی تو اس نے موبائل اٹھایا۔ وہاں ڈھیر سارے پیغامات موجود تھے۔ وہ پہلے یہی سمجھی کہ موحد کے پیغامات ہوں گے مگر وہ میسجز اطہر کے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ پڑھتی چلی گئی۔

"بہت برا کیا تم نے۔ ایک لمحے کے لیے بھی میرا نہیں سوچا۔

میں نجانے کتنے سالوں سے تمہاری محبت میں جتلا ہوں، مگر تم نے آج تک مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ محبت قبولنا تو دور کی بات ہے تم نے مجھے برداشت تک نہیں کیا اور یہ کل کا آیا ہوا انسان اتنا اہم ہو گیا؟"

مریم نے باقی پیغامات پڑھے بغیر ڈیلیٹ کر دیے۔ اور آنکھیں موند لیں۔ اطہر کے لیے اس کے دل میں شاید گنجائش بن بھی جاتی اگر اس نے اسے اس قدر ذہنی اذیت سے دوچار نہ کیا ہوتا۔ جبکہ موحد، موحد نے اسے آج تک پریشان نہیں کیا تھا بلکہ اس کی پریشانیوں کو دور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ دل خود بخود ہی اس کی جانب مائل ہو گیا۔ اس میں اس کی کوئی ذاتی کوشش شامل نہیں تھی۔ وہ بے حد مطمئن تھی اور خوش بھی۔

☆☆☆

کیا زندگی اتنی جلدی بھی بدلتی ہے؟ لمحوں میں؟ کچھ دیر پہلے ہی وہ مریم موحد بنی تھی۔ چہرے پر اس نام سے ہی ہزاروں رنگ پھیل گئے تھے۔ قوس و قزح سے بھی حسین۔ موحد اسے ایک ٹک دیکھتا رہ گیا۔ موحد نے جب گاڑی جس پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا تھا تب وہ ہر قسم کی آرائش سے عاری تھا، نہ رنگ نہ ہی جذبات مگر تب بھی وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پایا تھا۔ اور آج، آج تو وہ اس کی بیوی کے روپ میں اس کے سامنے تھی۔ سجی سنوری، بوجھل پلکیں لیے، اس کے پہلو میں گھبرائی گھبرائی سی۔ موحد کو چپ لگ گئی تھی، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ابتدا کیسے کرے۔ جو لفظ وہ چنے گا کیا وہ مریم کے لیے اس کے دل میں موجود محبت کو بیان کر پائیں گے؟ اس وقت وہ موحد کو کتنی حسین اور اپنی اپنی لگ رہی ہے کیا وہ ان احساسات کو لفظوں کی مالا میں پرو کر اسے دے پائے گا؟

اس نے خود کو ناکام محسوس کیا۔ خاموشی سے شیروانی کی جیب سے سونے کی چین نکالی اور آگے بڑھ کر اس کی صراحی دار گردن میں پہنا دی۔ پھر اس کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبانے لگا۔

"ان ہاتھوں نے بہت محنت کی ہے نا؟ دن رات کام کیا ہے۔ اب ان سے تم صرف ایک ہی کام کرو گی۔ رات میرے سو جانے کے بعد میرے بال سنوارنا۔" موحد نے اتنے پیار بھرے لہجے میں کہا تھا کہ وہ مسکراہٹ ضبط نہ کر پائی۔

"کرو گی نا"؟ مریم نے بمشکل ہی اثبات میں گردن ہلائی۔

"مجھے یوں لگنے لگا ہے جیسے میں کسی خواب میں جی رہا ہوں۔ تم سے محبت میں جتلا ہونا، اور پھر دل کی ایسی حالت۔ میرے جیسا بندہ جس کے لیے سب کچھ ہی ظاہری حسن ہے، اسے تم سے محبت ہو گئی۔ اور محبت بھی کیسے؟ چلو تمہاری سیرت سے متاثر ہو کر میں عاشق ہو جاتا لیکن مجھے تمہاری کسی کوالٹی کا بھی علم نہیں تھا۔ صرف تمہاری آواز نے متوجہ کیا۔ اور میں کسی پاگل کی طرح تمہیں دیکھنے کے لیے بہانے ڈھونڈنے لگا۔" وہ اس کے چہرے کے نقوش کو نرمی سے چھوتے ہوئے بول رہا تھا۔ مریم سانس روکے نگاہیں جھکائے سن رہی تھی۔

"میری ممی کبھی نہ مانتیں، ان کے لیے اسٹیٹس بہت اہم ہے۔ لیکن میرے گھر چھوڑ کر چلے جانے نے شاید ان پر اثر کیا اور معجزاتی طور پر وہ مان گئیں اور خوشی خوشی تمہیں بیاہ کر میرے پاس لے آئیں۔ یہ سب کچھ خواب جیسا ہی ہے نا؟ کسی فلم کی طرح جس میں آخر میں سب اچھا اچھا ہو جاتا ہے؟" مریم نے مسکرا کر اثبات میں ہلایا۔ موحد نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ ان کی ایک نئی اور حسین زندگی کی شروعات ہو چکی تھی۔

☆☆